گر درحقیقت وہ بدایون کے مختلف اہل علم کی یادگار دن کا ایک گلدستہ ہے، نظامی صاحب کے مجموعۂ کلام سے پہلے، اس مین متعدد مقدمے، دیباچے، تمہیدین اور ضمیمے ہین پہلے شعرائے بدایون کا مختصر تذکرہ ہے، اور پھر اسی ضمن مین مشہور بدایونی مورخ ملا عبد القادر کا ایک رخصتی سلام تحشیہ و تعلیق کے ساتھ منسلک ہے، ابتدا مین مرتب مجموعہ جناب ہبہ احمد صاحب فرشوری، کی ایک تمہید ہے، جس مین اس کی ترتیب کے تفصیلات درج ہین، اس کے بعد جناب قمر الدین احمد صاحب بدایونی بی اے کا دیباچہ ہے، اس مین جناب نظامی بدایونی کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا ہے، پھر مولوی محمد قمر الحسن صاحب ارشدی کا ایک وقیع مقدمہ ہے، جس کی ابتدا مین شعرا بدایون کا اجمالی ذکر ہے، اور ایسے شعرار کی جدول تیار کی گئی ہے، جن کے تذکرے ابھی تک علم سینہ تھے، اور جن کی شاعری کا نمونہ مل سکا ہے، ان کا ایک ایک شعر درج کیا گیا ہے، پھر اصل مجموعہ کی مناسبت سے جناب نظامی کے کلام پر تبصرہ ہے، اور آخر مین اسی مقدمہ کا ایک ضمیمہ ہے، جو تاریخی حیثیت سے نہایت قابل قدر ہے، اس ضمیمہ مین ملا عبد القادر کے سرسری حالات ہین، اور پھر ملا بدایونی کا وہ رخصتی سلام درج ہے، جو اس وقت کہا گیا تھا جب ملا بدایونی اکبر کے دار وگیر سے خائف ہو کر وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تھے،

اس کے بعد نظامی کے کلام کا مجموعہ ہے، جناب نظامی حاشیہ نشینان بزم حالی مین ہین، اس لئے جو کچھ بھی ان کے قلم سے نکلا ہے، وہ مطالعہ کے لائق ہے، مگر تعجب ہے کہ اس مجموعہ مین موصوف کا وہ قصیدہ نظر نہین آتا، جو ندوۃ العلماء کے ایک قدیم اجلاس مین پیش کیا تھا،

معانی وبیان، مولفہ مولوی محمد رفیع صاحب، حجم ۱۰۹ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت عہ،

پتہ:۔ رلے صاحب لالہ رام دیال اگروالہ، الہ آباد،

اس رسالہ مین علم معانی، بیان، بدیع اور علم عروض کے تمام مسائل، اختصار، استقصا، جامعیت اور ترتیب و تبویب کے ساتھ جمع کئے گئے ہین، رسالہ کی اصل خوبی اس کے زبان کی سلاست و روانی ہے، مسائل کے سمجھانے کے لئے فارسی شعراء کے کلام کی مثالین دی گئی ہین، اور ہر مثالیہ شعر مین جس مسئلہ سے جو مناسبت ہے، اس کو بخوبی روشن کیا گیا ہے،

جلد بست و ششم | ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۰ء | عدد پنجم ۵

مضامین

الصلوٰة علی ترجمان القرآن

آہ! مولانا حمید الدین!

الصلوٰة علی ترجمان القرآن (مفسرِ قرآن کی نمازِ جنازہ) وہ صدا ہے جو آج سے ساڑھے چھ سو برس پیشتر مصر و شام سے چین کی دیوارون تک ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی نمازِ جنازہ کے لیے بلند ہوئی تھی، حق ہے کہ یہ صدا آج پھر بلند ہو اور کم از کم ہندوستان سے مصر و شام تک پھیل جائے، کہ اس عہد کا ابن تیمیہ ۱۱ر نومبر ۱۹۳۰ء (۱۹ رجمادی الثانیہ ۱۳۴۹ھ) کو اس دنیا سے رخصت ہو گیا، وہ جس کے فضل و کمال کی مثال آیندہ بظاہر حال عالمِ اسلامی مین پیدا ہونے کی توقع نہین، جس کی مشرقی و مغربی جامعیت عہدِ حاضر کا معجزہ تھی، عربی کا فاضلِ یگانہ اور انگریزی کا گریجوایٹ، زہد و ورع کی تصویر، فضل و کمال کا مجسمہ، فارسی کا بلبلِ شیراز، عربی کا سوقِ عکاظ، ایک شخصیتِ مفرد، لیکن ایک جہانِ دانش! ایک دنیاے معرفت! ایک کائناتِ علم! ایک گوشہ نشینِ مجمعِ کمال، ایک بینوا سلطانِ ہنر، علومِ ادبیہ کا یگانہ، علومِ عربیہ کا خزانہ، علومِ عقلیہ کا ناقد، علومِ دینیہ کا ماہر، علوم القرآن کا واقفِ اسرار، قرآنِ پاک کا دانائے رموز، دنیا کی دولت سے بے نیاز، اہلِ دنیا سے مستغنی، انسانون کے ردّ و قبول اور عالم کے داد و تحسین سے

بے پروا، گوشۂ علم کا معتکف، اور اپنی دنیا کا آپ بادشاہ، وہ ہستی جو تیس برس کامل قرآن پاک اور صرف قرآن پاک کے فہم و تدبر اور درس و تعلیم مین محو، ہر شے سے بیگانہ، اور ہر شغل سے ناآشنا تھی، افسوس کہ اُن کا علم اون کے سینہ سے سفینہ مین بہت کم منتقل ہو سکا، مسودات کا دفتر چھوڑا ہے، مگر افسوس کہ اس کے سمجھنے اور ربط و نظام دینے کا دماغ اب کہان، جو چند رسالے چھپے وہ عربی مین ہین، جن کے عوام کیا علما تک ناقدرشناس، اون کی زندگی ہمارے لیے سرمایۂ اعتماد تھا، اور اُن کا وجود دار المصنفین کے لیے سہارا تھا، افسوس کہ یہ اعتماد اور یہ سہارا جاتا رہا، اور صرف اوسی کا اعتماد اور سہارا رہ گیا، جس کے سوا کسی کا اعتماد اور سہارا نہین، اس سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ یہ ہستی آئی اور چلی گئی، لیکن دنیا اُن کی قدر و منزلت کو نہ پہچان سکی اور اُن کے فضل و کمال کی معرفت سے ناآشنا رہی،

تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چو مسیح
باز پس رفتی و کس قدرِ تو نشناخت دریغ

زندگی گمنامی مین گذاری، مرنے کے بعد بھی گمنامی کا گوشہ تلاش کیا، متھرا مین جہان اپنے ایک ہموطن ڈاکٹر سے جو دس برس سے اُن کے معالجِ خاص تھے، علاج کرانے تشریف لے گئے تھے، وہین انتقال فرمایا، عمر شریف ستّر برس کے قریب تھی، مگر دائمی دردِ سر کی شکایت کے سوا قوی بہت اچھے تھے، ہم گنہگار اون کی مغفرت کی دعا کیا مانگین، کہ اُن کے انفاس متبرکہ ہمہ تن یادِ خدا، صبر و رضا، شکر و تسلیم مین صرف ہوتے تھے، اون کی نماز ہمہ تن

لطف محویت ہوتی تھی، اُن کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، اپنی زندگی ہی مین اپنی مغفرت کے کئی خواب دیکھے تھے،

خداوندا! ہمین توفیق دے کہ اُن کے نقش قدم پر چل کر ہم بھی تیری مغفرت کے سزاوار و مستحق ٹھہرین، اور مرنے والے کو اپنی رضا و محبت کی بہشت عطا فرما، کہ وہ اسی کا طالب تھا،

اواخر عمر مین مرحوم کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ وہ چند مستعد طلبہ کو اپنے مذاق کے مطابق تیار کرین، چنانچہ کم از کم دو طالب العلمون کی خاص طور سے اُنھون نے دماغی تربیت کی ہم سب کی دعا ہے کہ وہ مدرسۃ اصلاح المسلمین کو سنبھال لین، جو مرحوم کی سب سے بڑی مادی یادگار ہے، تفسیر کے اجزاء جو مکمل ہونگے اُن کی اشاعت کی فکر کیجائے گی، مگر آہ! کہ اس ناقدر شناس دنیا مین ان جواہر ریزون کی کون قدر کرے گا، اور کون سرمایہ بہم پہنچائے گا،

رحمۃ اللہ علیٰ ذات الحمید

مقالات

عرب اور فنِ زراعت

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین

اسلامی فتوحات کی ابتدا مین مجاہدین کی خواہش تھی کہ مفتوحہ ممالک کی آراضی اوسی طرح مال غنیمت کے طور پر باہم تقسیم کردیجائے، جیسے اشیائے منقولہ کو تقسیم کردیا جاتا تھا، اور خلافت صدیقی تک تقریباً اسی پر عمل درآمد جاری رہا،

لیکن جب عہد فاروقی آیا تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے یہ روش پسند نہین فرمائی اور بعض کبار صحابہؓ کی مخالفت کے باوجود فوج کے درمیان تقسیم آراضی کا سلسلہ موقوف کردیا گیا، اور حقِ خدمت کے معاوضہ مین بیت المال سے وظیفے اور تنخواہین جاری ہوگئین، جس کی وجہ سے آراضی کے پچھلے قابضین بیدخل ہونے سے محفوظ ہوگئے[۱]،

اس کے بعد مفتوحہ ممالک مین زراعت اور کاشتکاری سے کنارہ کش رہنے کیلئے مسلمانون پر مستقل قیود عائد کیے گئے کہ ابن عساکر کے بیان کے مطابق جب کوئی ذمی (غیر مسلم رعایا) اسلام قبول کرتا تو اسکی تمام آراضی اُسی مقام کے غیر مسلمونکے قبضہ مین دیدیجاتی اور وہی اس کا خراج ادا کرتے، اور اس نو مسلم کو فوجی خدمت سپرد کیجاتی، اور اس کے معاوضہ مین بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوتا[۲]،

۱؎ کتاب الخراج امام ابو یوسف طبع مصر ص ۱۴، ۱۵، ۲۹ ۲؎ بحوالہ المجمع العلمی العربی ج ۲، ص ۱۰۷ مقالہ تاریخ الزراعۃ فی بلاد العالم العربی

عربی مدنیت یا اسلام کی ابتدائی تاریخ مین فن زراعت کا یہ پہلا دور تھا بعض مستشرقین یورپ عربی حکومت کے اس ابتدائی طرزِ عمل سے اُس پر الزام لگاتے ہین کہ مسلمانون نے کاشتکاری کے پیشہ کو ذلیل سمجھ کر ترک کر دیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ مکہ کے قریش جو تاجر و سوداگر تھے وہ کاشتکاری کو بہت ذلیل سمجھتے تھے[1] لیکن اسلام نے آکر اُن کے اس خیال کو بدلا، اور اُس کو ایک نیکی کا کام بتایا، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی کوئی پودا نصب کرتا ہے تو ہر وہ پرند جو اُس سے کھاتا ہے اور ہر وہ شخص جو اُسکے سایہ مین آرام پاتا ہے اسکا ثواب وس کے بونے والے کو ہوتا ہے[2] حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی فتوحات کا دائرہ ایک عظیم ترین مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر وسیع کیا جاتا تھا، اسلام کے گرد و پیش ایسے حالات جمع ہو گئے کہ اسکو بیک وقت دنیا کی عظیم ترین طاقتون سے اعلانِ جنگ کرنا پڑا، اس کے ساتھ یہ بھی امر واقع تھا کہ جانثاران اسلام کی تعداد نہایت قلیل تھی، اگر وہ مفتوحہ علاقون مین داخل ہو کر زراعت اور کاشتکاری مین مصروف ہو جاتے تو چند ہی دن بعد ان کے آگے بڑھنے کا سلسلہ موقوف ہو جاتا، آج بھی متمدن حکومتین اپنے مصالح کے لحاظ سے اپنے سپاہیون پر ہر قسم کے قیود (ازدواجی زندگی سے الگ رہنا وغیرہ) عائد کرتی ہین، اسی طرح عربی حکومت نے بھی ابتداءً اپنے مصالح کے لحاظ سے یہی قانون نافذ کیا،

ورنہ عربی حکومت کے اس ابتدائی دور مین بھی جہانتک زراعت پر توجہ کرنے کا تعلق ہے پوری توجہ منعطف کی گئی، حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت مین تمام ممالک مفتوحہ کا نئے سرے سے بندوبست ہوا اور منصفانہ طریقے سے خراج (لگان) کی تعیین کی گئی، بلکہ مسلمانون کو قانوناً کاشتکاری سے الگ رکھنے کی وجہ سے ممالک مفتوحہ کے باشندون کو یہ اہم فائدہ پہنچا کہ ملک کی تمام آراضی اونھی قدیم غیر مسلم زمینداروں کے قبضہ مین رہی، اس کے ساتھ اُن کی حقیت و ملکیت و دیگر تمام حقوق و اختیارات بدستور قائم رہے، نیز افتادہ (پڑتی) زمینون کے متعلق عام حکم جاری کیا گیا، کہ وہ آباد کرنے والون کی ملکیت تسلیم کیجائیگی،

[1] صحیح بخاری غزوہ بدر قتل ابی جہل [2] صحیح مسلم باب الغرس۔

چنانچہ اسلامی قانون کی یہ ایک نہایت مشہور دفعہ ہے کہ

من احیا أرضا مواتا فھی لہ

جس نے پڑتی زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے،[1]

پھر حکومت نے آبپاشی پر خاص توجہ کی تمام ممالک مفتوحہ مین نہرین جاری کی گئین، بند باندھے گئے، تالاب کھودے گئے، نہرون کو شاخ در شاخ پھیلایا گیا، چنانچہ آبپاشی کے صرف ان صیغون پر صرف مصر مین ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ کام کرتے تھے،[2] اسلئے درحقیقت حضرت عمرؓ کے اوس امتناعی حکم کے باوجود کہ مسلمان ممالک مفتوحہ کی زراعت مین حصہ نہ لین، ممالک مفتوحہ کی زرعی ترقی مین روز بروز اضافہ ہوتا گیا، کیونکہ لوگ ازخود جلب منفعت کے لئے زراعت مین حصہ لیتے اور ملک کی زرعی ترقی کو آگے بڑھاتے،

علاوہ ازین عہدِ فاروقی مین زمین کے محصول مین بھی نمایان اصلاح کی گئی، رومی و ایرانی عہد مین خراج کا جو طریقہ رائج تھا اس مین ترمیم کر کے عام ملک کی پیمایش کی گئی، پھر رقبہ و پیداوار کے لحاظ سے خراج عائد کرنے کے لئے تخمینے تیار کئے گئے، چنانچہ عثمان بن حنیف نے اسی عہد مین رقبہ زمین، قسم پیداوار اور اس کے خراج کا ایک مندرجہ ذیل نقشہ تیار کیا۔

قسم پیداوار،	رقبہ زمین،	شرح خراج
گیہون،	فی جریب (جو تقریباً پون بیگہ پختہ ہوگی)	۴ درہم سالانہ
جو،	" "	۲ درہم "
انگور	" "	۱۰ درہم "
کھجور	" "	۸ درہم "
نیشکر	" "	۶ درہم "

[1] کتاب الخراج ص ۳۶ [2] خطط مصر مقریزی ج ۱ ص ۷۶،

ترکاریان	″	″	۳ درہم ″
روئی	″	″	۵ ″ ″

جب حضرت عثمان بن حنیف نے زمین کی پیمایش کے بعد یہ نقشہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا تو آپنے اس کے قبول کرنے مین اسلئے پس وپیش فرمایا کہ شاید کاشتکارون پر اون کی حیثیت سے زیادہ بار دیا گیا ہو، لیکن جب حضرت عثمان ؓ نے یہ کہتے ہوئے یقین دلایا کہ آپ اس سے زیادہ میری زمین پر مالیہ عائد کر سکتے ہین اور وہ میرے لئے گران نہ ہوگا، تو پھر آپنے بعض کاشتکارون کی مزید اطمینان دہی کے بعد اس کو رائج کیا، لیکن یہ مندرجہ بالا نقشہ بھی تمام آراضی کے لئے نہین تھا، جن جن مقام پر زمین مین جو استعداد تھی، اوسی مناسبت سے لگان لگایا گیا، یہ نقشہ ایک ایسی زمین کا ہے جو بہتر سے بہتر کہی جا سکتی تھی؛ ورنہ مختلف مقامات پر خراب قسم کی زمینون پر اس سے بہت ہی کم مالیہ عائد کیا گیا، جس کی پوری تفصیل کتاب الخراج امام ابو یوسف مین جا بجا ملتی ہے[1]،

لگان کی اس شرح کی آسانی سے ملک مین عام زرخیزی وسرسبزی پیدا ہو گئی، لوگ مختلف مشاغل اور پیشے ترک کر کے زراعت مین مصروف ہو گئے، اس دور کی زرعی ترقیون کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد حکومت مین صرف ایک ملک عراق کی سالانہ مالگذاری ۱۰ کرور ۲۸ لاکھ درہم وصول ہوتی تھی[2]؛

اس کے ساتھ زراعت سے عربون کی اس علٰحدگی کے معنی یہ بھی نہین ہین کہ وہ اس پیشہ سے قطعاً محروم کر دئے گئے ہون، بلکہ کبھی کبھی انھین وہ سرکاری آراضی جو قدیم شاہی جاگیردارون اور مفرورون اور باغیون کی عدم موجودگی سے اسلامی حکومت کے قبضہ مین آجاتی تھین، مسلمانون کو زراعت کے لئے دیجاتی تھین[3]، اس لئے عربون کی ایک جماعت گو کہ وہ بہت چھوٹی تھی، اس عہد مین بھی

[1] کتاب الخراج ص ۲۰، ۲۱۰، ۲۲، ۲۸۰، ۲۲۲، ۲۰ وغیرہ [2] معجم البلدان یاقوت رومی ج ۵ ص ۱۶۲، [3] کتاب الخراج ص ۲۹ وغیرہ،

زراعت پیشہ تھی،

اس کے بعد جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، عرب کے بعد شام، عراق، مصر، ایران اور شمالی افریقیہ پر عربی پرچم لہرانے لگے تو رفتہ رفتہ مسلمانون کی تعداد مین بھی اضافہ ہوتا گیا، اسلئے زراعت سے مسلمانون کو جو عام بے تعلقی قائم ہو گئی تھی، وہ زیادہ دنون تک قائم نہین رہی، اور ان مین ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی جو لڑائیون کی شرکت، مشاغل تجارت اور صنعت وحرفت سے الگ تھی، کیونکہ دائرۂ فتوحات کی وسعت کے ساتھ ساتھ ایسی افتادہ آراضی روز بروز بڑھتی گئی جو رومی وایرانی دور حکومت مین حکومت وعمال حکومت کے قبضہ مین تھی، اور جس پر اب اسلامی حکومت کے مستولی ہونے کے بعد کسی کا حق ملکیت قائم نہین تھا، علاوہ ازین ایسی اراضیان بھی خالی پڑی تھین جنکے مالک انقلاب حکومت کے باعث یا تو ترک وطن کر چکے تھے یا لڑائیون مین کام آچکے تھے، اور اون کا کوئی والی ووارث حقدار موجود نہ تھا، چنانچہ امیر معاویہ والی شام نے خلافت عثمانی مین اس قسم کی اراضی کے نظم ونسق کے متعلق بارگاہ خلافت سے استصواب کیا، اور یہ اراضیان حضرت عثمان ؓ کی اجازت سے مسلمانون مین تقسیم کیگئین، اور یہین سے اسلامی مقبوضہ علاقون مین عربون کی کاشتکاری کا دور شروع ہوتا ہے،

پھر جب عام طریقے سے مسلمانون کی کاشتکاری کا آغاز ہو گیا تو اون سرکاری زمینون سے گذر کر ملک کی بنجر زمینون پر نظر پڑی، اور اون کو قابل زراعت بنا کر نہایت تیزی سے آباد کرنا شروع کیا، اور پھر تو رفتہ رفتہ بقول ایک شامی اہل قلم "عربی زراعت کو ممالک مفتوحہ مین اسی طرح فروغ حاصل ہو گیا جیسے عربی زبان دوسری ملکی زبانون یونانی، سریانی، لاطینی، فارسی اور قبطی پر حاوی ہو کر رواج پذیر ہو گئی[1]"

لیکن اسکا یہ مقصد نہین کہ عربون نے اس دور مین زمین کے قدیم قابضون کو اُن کی اراضی سے

[1] المجمع العلمی العربی ج ۲، ص ۱۰۸،

بیدخل کر دیا ہو، کیونکہ اس کے باوجود عربون کو بالعموم وہی آراضیان دیجاتی تھین، جو حکومت کی ملکیت مین ہوتی تھین، اسلئے اسلامی مملکت مین آراضی کی دو قسمین ہوتی تھیں، ایک "عشری" کہلاتی تھین، اور دوسری "خراجی" عشری آراضیان مخصوص مسلمانون کی ملکیت ہوتی تھین، اور اُن پر وہی لگان ہمیشہ قائم رہا جو عرب مین مسلمان کاشتکارون پر عائد ہوا تھا،

اسلامی قانون مین معاشی و اقتصادی حیثیت سے عشری آراضی کا قانون خاص طور سے قابل ذکر ہے "عشر" پیداوار کے اس دسوین حصہ کا نام تھا، جو مسلمان کاشتکار، حکومت اسلامی کو زمین کا لگان ادا کرتے تھے، اس کے ساتھ خصوصیت یہ تھی کہ جن آراضیون کی آبپاشی قدرتی ذرائع بارش، دریا اور قدرتی نہرون سے ہوتی تھی اون کی پیداوار کا دسوان حصہ وصول کیا جاتا تھا، لیکن جو زمینین مصنوعی وسائل مثلاً مصنوعی نہر، کوئین، اور کھودے ہوئے تالابون سے سیراب کیجاتین، یعنی جن کی آبپاشی مین کاشتکار کو غیر معمولی مشقت برداشت کرنی پڑتی، انکا لگان عشر کا نصف یعنی پانچوان حصہ ہوتا[1]، نیز اُس کے ساتھ یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ یہ قانون اپنے دونون دفعات کے ساتھ صرف اُسی وقت نافذ العمل ہوتا، جب زمین کی پیداوار زمین سے کم از کم ۵ وسق یعنی ۳۰۰ صاع (ایک صاع مساوی ۲.۲ رطل) کاشتکار کے گھر مین آجاتا، جو اپنے تناسب کے لحاظ سے سال بھر کے خرچ سے فاضل ہوتا، ورنہ کاشتکار لگان سے بری کردئے جاتے، اسی طرح اگر کسی آراضی پر کوئی آفت ارضی و سماوی آجاتی تو اسکی لگان معاف کر دیجاتی[2]، اس رعایت کا حقیقی فائدہ کاشتکارون کو اُسوقت حاصل ہوتا، جب ملک مین قحط اور خشک سالی ہوتی تو اسوقت پورا ملک لگان سے واگزار ہوتا،

مسلمانون کے ساتھ یہ رعایت خصوصیت سے اسلئے تھی کہ اسلامی حکومت کی طرف سے ان پر بعض ایسے محصول عائد تھے، جو غیر مسلمون پر واجب الادا نہین تھے، مثلاً مسلمانون کے مویشیون، گھوڑون،

[1] کتاب الخراج ص ۶۱ [2] الجامع الصغیر امام محمد بحاشیہ کتاب الخراج ص ۲۲،

اور نقد رقم پر زکوٰۃ واجب تھی، حالانکہ ملک مین غیر مسلمون کے پاس بھی مویشی، گھوڑے، اور نقد دولت موجود تھی، لیکن اون کی ان ملکیتون سے حکومت کو کوئی سروکار نہ تھا، اس موقع پر جزیہ کی اوس رقم سے اشتباہ نہ ہو جو خصوصیت سے صرف غیر مسلمون پر عائد تھی، یہ رقم دراصل غیر مسلمون کو فوجی خدمت سے سبکدوش کرنے اور اُن کے جان مال اور املاک کی حفاظت کے عوض وصول کی جاتی تھی، جیسے کہ ترکی حکومت عہد عثمانی مین اور شاید دور حاضر کی جمہوریت مین بھی ایسے تمام مسلم و غیر مسلم باشندون سے جو اپنے کو جبری فوجی خدمت سے مستثنیٰ کرانا چاہتے تھے یہ رقم وصول کرتی تھی، لیکن چونکہ اسلامی عہد حکومت مین کوئی مسلمان فوجی خدمت سے قانوناً سبکدوش نہیں کیا جاسکتا تھا، اس لئے یہ رقم صرف غیر مسلمون ہی کے ذمہ عائد ہوتی تھی، اور اسی لئے جزیہ کی رقم سے غیر مسلمون مین سے بوڑھے، بچے، عورتین، اندھے، اور لاچار جو فوجی خدمت انجام دینے کی صلاحیت نہین رکھتے تھے قانوناً مستثنیٰ تھے[1]،

علاوہ ازین عشری آراضی مخصوص طور پر وہی تھی، جو حکومت اسلامی سے کسی مسلمان کو ملتی تھی، ورنہ اگر کوئی مسلم کسی غیر مسلم کی آراضی کو کرایہ پر لیکر کاشت کرتا تو اس پر بھی وہی خراج واجب الادا ہوتا جو اوس زمین کے مالک پر عائد کیا جاچکا تھا[2]،

اس کے بعد جیسے جیسے ممالک اسلامیہ کی زرخیزی بڑھتی گئی، خراج کے طریقون مین بھی تغیر و تبدل ہوتا گیا، عرب مورخین مین سے فخری، بلاذری، طبری، اور ابن اثیر وغیرہ نے مختلف دور کے مختلف حالات لکھے ہین، جن سے ہر عہد کی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے، لیکن ان کا تذکرہ نہایت طویل ہوگا،

مگر مجموعی طور پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ اضافے کاشتکارون کے لئے گران ہونے کے بجائے خوش آیند ثابت ہوتے تھے، کیونکہ حکومت لگان کے اضافہ کے ساتھ ملک کی زرخیزی و سرسبزی کا بھی سامان بہم

[1] کتاب الخراج ص ۶۹، ۷۰، [2] ایضاً ص ۳۵،

پہنچاتی تھی، کاشتکارون کی ضروریات کا مخصوص لحاظ کیا جاتا، غلون کا نرخ متعین ہوتا، ممالک محروسہ مین ہر جگہ جاسوس اور خفیہ پرچہ نویس ہوتے جو غلہ کے نرخ کے تغیر و تبدل اور کاشتکارون پر عمالِ حکومت کی دست اندازی وغیرہ سے مرکزی حکومت کو مطلع کرتے، اور حکومت ایسے موقعون پر تحقیقات کرکے مناسب تدارک کرتی،[1]

اسلامی عہدِ حکومت مین زراعت کی ترقی کا پتہ حکومت کی اوس آمدنی سے بھی چلتا ہے، جو اوسکو ممالک محروسہ سے حاصل ہوتی تھی، کیونکہ خراج کا بیشتر حصہ زمین ہی کی مالگذاری پر مشتمل تھا، مثلاً ابن خلدون کے بیان کے مطابق صرف مامون کے عہدِ حکومت مین حکومت کی مجموعی آمدنی ۲۹۰۸۵۵۰۰۰ درہم تھی،[2]

مگر اس موقع پر اس حقیقت کو گو وہ ہمارے لئے نہایت تلخ ہو، فراموش نہین کیا جاسکتا کہ جب امتدادِ زمانہ سے مسلمانون کی حکمران جماعتون سے اسلام کی حقیقی روح (اسپرٹ) فنا ہوگئی، اور اسلامی حکومتون کا اصل مطمحِ نظر محض بادشاہی و حکمرانی باقی رہ گیا، تو اسلام کے نافذ کئے ہوئے اصول و قوانین کا نہایت غلط استعمال ہونے لگا، اور اگرچہ قوانین کے دفعات اپنے ظاہری الفاظ کے ساتھ اس دور مین بھی نافذ رہے، مگر ان قوانین مین جو حقیقی روح تھی، وہ رفتہ رفتہ جاتی رہی، اور اس کا اثر ممالک اسلامیہ کی زراعت و کاشتکاری پر بھی نہایت گہرا پڑا، چنانچہ اس دور مین ممالک محروسہ کی اراضی کا بیشتر حصہ عملاً مسلمانون کی کاشتکاری مین آگیا، گو قوانین کے ظاہری الفاظ کی پابندی کرتے ہوئے مسلمانون کو وہی اراضیان عطا کی گئین، جو اسلامی مملکت کے قبضہ مین آگئی تھین، مگر اسلام کی سلف و خلف حکومتون مین تدریجی طور پر نمایان فرق پیدا ہوگیا کہ عہدِ اول مین اسلامی حکومت کے قبضہ مین صرف وہی زمینین تھین، جو ممالک مفتوحہ کے قدیم حکمرانون کی ملکیت ہوتین یا لاوارثون، مفرورون اور باغیون کے ذریعہ سے حکومت کے قبضہ مین داخل

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۱۰۳ [2] بحوالہ التمدن الاسلامی جرجی زیدان،

ہوتین، اور وہی مسلمانون مین "عشری" بنا کر تقسیم کیجاتین، لیکن اسلام کی خلف حکومتون نے اس کے ماسوا ایک جدید شکل بھی اختیار کرلی، اور وہ "فتوحات کی نوعیت" تھی،

یعنی جب کسی ملک مین اسلامی حکومت قائم ہوجاتی، اور رفتہ رفتہ فوجی پیش قدمیون سے جو نو مفتوح شہر قبضہ مین آتے جاتے، وہ جس نوعیت سے فتح ہوتے، وہان کے باشندون سے جس قسم کے معاہدے اور صلحین ہوتین، اوسی لحاظ سے وہان کی زمینین حکومتِ اسلامی کے قبضہ مین داخل ہوتین، چنانچہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ اہلِ شہر اسلامی لشکر کا نہایت شدت سے مقابلہ کرتے، اور جب اسلامی لشکر بزورِ شمشیر شہر کے دروازے کھول لیتا تو اسکا پورا علاقہ بھی ضبط کرلیا جاتا اور وہ اسلامی حکومت کی ملکیت قرار پاتا، لیکن جو شہر صلح و آشتی سے زیرِ اقتدار آتے انکی اراضیان واگذار ہوتین،

اسکو بھی اصول قانون کے رو سے تو کسی قدر صحیح کہا جاسکتا ہو، لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اسلامی حکومتون کے اس آخری عہد مین کبھی کبھی ایسا بھی پیش آیا ہے کہ اہلِ شہر اپنی مدافعت مین شہر سے شمشیر بکف نکلتے، اور تابِ مقاومت نہ لاکر صلح و آشتی کا پیغام دیتے تو وہ صرف اسی قانون سے فائدہ اُٹھانے کے لئے رد کردیا جاتا کہ شہر کی تمام مزروعہ زمین اسلامی حکومت کے قبضہ مین آجاتی ہے،

چنانچہ مختلف اسلامی حکومتون کے نظام مین دیکھا جاتا ہے کہ فوج کی تنخواہین بصورت زر ادا کرنے کے بجائے بصورت زمین دیجاتی تھین، فوج کے معزز عہدہ دار ایک ایک علاقہ پر قابض ہوتے، انکا ایک منصب مقرر ہوتا اور ان کے فرائض مین یہ داخل ہوتا کہ حسب طلب ایک مقرر تعداد مین فوج لے کر دربارِ حکومت مین حاضر ہون، چنانچہ وہی عہدے دار زمیندار کی حیثیت رکھتے، اور وہان کے باشندے عام کاشتکار ہوتے، لیکن اس کے ساتھ اس کا تذکرہ بھی نہ کرنا ناانصافی ہوگی کہ وہ ملکی باشندے جو "کاشتکار" کی حیثیت سے زمین کی خدمت کرتے، مسلمان زمیندار ایک مقرر اصول کے ماتحت انھیں اسقدر حقِ محنت عطا کرتے تھے کہ کاشتکارون کا طبقہ پورے طور پر مطمئن رہتا تھا، اور نیز تصریح بھی ضروری ہے کہ

کہ ملک مین ایسے عہدے دارون کی مثالین بہت کم ہوتی تھین اور نہ کسی ایک ملک کے کسی ایسے نظام حکومت پر تمام ممالکِ اسلامیہ کو قیاس کیا جا سکتا ہے، یہ صرف چند ملکونکا دستور تھا اور خود ان ملکون میں بھی ان عہدے دار مسلمان زمیندارون کے علاوہ مسلم وغیر مسلم ایسے بکثرت زمیندار و کاشتکار ہوتے تھے، جن کا تعلق کسی درمیانی واسطے کے بغیر براہ راست حکومت سے ہوتا تھا، اور خراج کے انھی قوانین کے ماتحت جنکا ابھی تذکرہ کیا گیا ہے، خود حکومت کو لگان دیا کرتے تھے،

اسلامی عہدِ حکومت مین رفتہ رفتہ مسلمانون کو زراعت کا ذوق اسقدر پیدا ہو گیا کہ ممالک محروسہ کی وسعت کے باوجود ملک کی آراضیان ناکافی ہو گئین، اور قابلِ کاشت وافتادہ زمینون سے گذر کر جنگل کے جنگل صاف کرکے قابلِ زراعت بنائے گئے، بے آب وگیاہ چٹیل میدانون مین پانی پہنچا کر انکو قابلِ کاشت بنایا جاتا،

اس موقع پر صقلیہ کی مثال نہایت عمدہ ہو سکتی ہے کہ یہان عربون کی صرف تقریباً ڈھائی سو سال تک حکومت رہی، لیکن انھون نے اسی قلیل مدت مین اسکو اسقدر زرخیز بنا دیا کہ میدانون سے گذر کر پہاڑون پر سر سبز بار آور درخت مجھومنے لگے اور پہاڑون کے نشیب مین گیہون، جوار دوسرے غلون کے کھیت لہلہانے لگے، یہان تک کہ خود عرب سیاح جب دوسرے ممالک سے یہان آئے تو وہ یہان کی زرعی ترقیون پر اپنے تعجب کا اظہار کئے بغیر نہین رہ سکے، ابن حوقل نے جو اسلامی عہدِ حکومت مین صقلیہ پہنچا تھا اپنے جغرافیہ مین ایک سے زیادہ مقام پر صقلیہ کے عربون کی زرعی کوششون کا نمایان طور پر تذکرہ کیا ہے، اسی طرح ابن جبیر یہان کے پہاڑون کے متعلق تعجب کے ساتھ لکھتا ہے کہ

یہان کے پہاڑون پر بھی زراعت اور کاشت ہوتی ہے اور بار آور درخت سے سب کے سب سرسبز نظر آتے ہین،[۱]

اسی طرح مسٹر اسکاٹ لکھتا ہے :۔

پہاڑون کے اوپر انھون نے اخروٹ، صنوبر، چلغوزے، اور سرو کے جنگل کے جنگل لگا دئے، ان کی لکڑیان جہازون کے بنانے کے لئے بڑی کارآمد ہوتین، اور اچھی قیمت پاتی تھین"

جزیرہ مین آبپاشی کے جو قدرتی وسائل موجود تھے، اُن کے علاوہ پورے جزیرے مین شاخ در شاخ نہرون کا ایک جال بچھا دیا گیا تھا، دور دراز مقامون پر پانی پہنچانے کیلئے دریا مین نچکیان قائم تھین اور آبادی کا بیشتر حصہ زراعت مین مصروف رہتا تھا اور یہان کے عربونکا پیدا کیا ہوا غلہ ایک طرف اٹلی کے راستہ سے یورپ جاتا اور دوسری طرف شمالی افریقہ اور مصر بھیجا جاتا،[۱]

یہ ممالک اسلامیہ مین سے ایک ایسے ملک کی زرعی ترقیون کا ایک اجمالی خاکہ ہے، جہان قدرت نے عربون کو صرف چند دن کے لئے بھیج دیا تھا، لیکن اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ عرب جن زمینون کی صدیون خدمت کرتے رہے ہون، انھین کس حال سے کس حال مین لے آئے ہون گے،

زراعت پر عربون کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھون نے دنیا کے مختلف حصون کی مختلف پیداوار غلون، پھلون اور پودون کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجا کر اس خوبی سے لگایا کہ وہ گویا اوسی سرزمین کی مخصوص پیداوار ہے، عربی حکومت شام، عراق، ایران سے گذر کر ہندوستان تک پہنچی، پھر مغرب مین مصر ہوتی ہوئی شمالی افریقہ آئی، اور یہان سے بحرِ روم کے تمام ساحلی علاقہ اور جزائر مین پھیل گئی، اور پھر اسی راستہ سے اسپین اور سسلی مین داخل ہوئی،

وہ جہان جہان رہے ان کی زراعت کا ذوق نمایان رہا، اگر ان کے ہاتھون ایرانی پودے ہندوستان مین آکر بار آور ہوئے تو یہ کچھ زیادہ تعجب انگیز نہین، زیادہ تعجب خیز چینی اور ہندی پودون کا عراق شمالی افریقہ اور پھر اسپین اور سسلی پہنچنا ہے، یورپ کے مورخون کو خود اعتراف ہے کہ روئی کا درخت سرزمین یورپ مین سب سے پہلی مرتبہ عربون ہی کے ہاتھون پہنچا، اسپین اور سسلی مین روئی کا سب سے پہلا پودا نصب ہوا،

[۱] رحلۃ ابن جبیر ص ۳۲۴، ۳۲۳، کتاب الاقالیم اصطخری در بیلوتھیکا اماری ص ۳، کتاب المسالک ابن حوقل در بیلوتھیکا ص ۲،
معجم البلدان ج ۵ ص ۳۴۷، اخبار الاندلس ج ۱ ص ۶۰،

اور یہین بارآور ہو کر اٹلی اور پرتگال ہوتا ہوا، اندرون یورپ پہنچا، عربون نے نیشکر کی زراعت چینیون سے حاصل کی، اور انھی سے شکر نکالنا سیکھا جسکو وہ اپنے ساتھ مصر اسپین اور سسلی لے گئے، یورپ مین نیشکر کی زراعت اور شکر سازی کا یہ پہلا موقع تھا، انھی سے یہ صنعت سب سے پہلے پرتگالیون نے حاصل کی، اور پھر اونکے توسط سے سارے یورپ مین رائج ہوئی،

اسی طرح مشرقی ایشیا کے بہت سے درخت بحر روم کے جزائر مین لیجا کر نصب کیے گئے، مثلاً شیرین اور ترش لیمون کے درخت وہ تیسری صدی ہجری مین ہندوستان سے لیگئے، اور اسکو تمام اسلامی ممالک عراق، شام، شمالی افریقہ، اندلس اور صقلیہ مین پہنچا دیا، اہل یورپ نے خربوزہ، کشمش، اور آخروٹ کی کاشت عربون ہی سے حاصل کی، اور اسی طرح ایسی بہت سی طبی دوائیں ہین، جو مخصوص ہندوستان کی پیداوار تھین، وہ سب انھی کے توسل سے افریقہ اور یورپ کی سرزمین مین بارآور ہوئین،[1]

فرانسیسی مستشرق موسیو سدیو کہتے ہین:-

"عرب سسلی مین شام سے کپاس کے درخت لے گئے، طرابلس الغرب سے نیشکر لائے، اور وہان دونون کی کاشت کی، نیز زردار اور پستے کے درخت لاکر لگائے گئے"[2]

مسٹر اسکاٹ لکھتے ہین:-

"سسلی مین عربون کے عہد مین روئی، نیشکر اور سن نہایت کامیابی سے پیدا ہونے لگے، اور زیتون خود انھی کے زمانہ مین اسقدر کثرت سے ہونے لگے، کہ وہ خاص اس جزیرہ کی پیداوار سمجھے جانے لگے"[3]

زرعی حیثیت سے عربون کا ایک اہم کارنامہ اس موضوع پر اُن کی علمی وفنی موشگافیان ہین ابتداءً

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۴۳۸ و المجمع العلمی العربی ج ۷ ص ۱۱۲ [2] تاریخ عرب موسیو سدیو ص ۴۴۸ [3] اخبار الاندلس ج ۲ ص ۶۰،

جب دوسری زبانون کی کتابین عربی مین ترجمہ ہونا شروع ہوئین، تو طب وفلسفہ کے ساتھ فن زراعت کی کتابون کا ترجمہ بھی شروع ہوا، اور یونانی اور نبطی زبان کی اہم کتابین عربی مین منتقل کر لی گئین، جن مین غالباً سب سے اہم کتاب، قوثامی کی "فلاحت نبطیہ" ہے، پہلے اس کے متعدد ترجمے ہوئے، پھر خلاصے تیار کیے گئے، اور اس کے بعد اسی پر حواشی و استدراک لکھے گئے، اسی طرح قسطا بن لوقا بعلبکی کی کتاب "فلاحت رومیہ" بھی قابل ذکر ہے،

جب ترجمہ کا دور ختم ہوا تو تالیف وتصنیف کا زمانہ آیا، اور لوگون نے اس موضوع پر قابل قدر کتابین تالیف کین، جن مین ثابت بن قرہ، اسحاق بن سلیمان، ابو حنیفہ دینوری، رازی، حاج غرناطی، اور ابو الخیر اشبیلی کے نام قابل ذکر ہین،

علماے فلاحت مین سب سے اہم ترین کارنامہ چھٹی صدی کے ابن العوام اشبیلی کا ہے، اسکی کتاب الفلاحت شہرۂ آفاق حیثیت رکھتی ہے، فرانسیسی مستشرق رنگلمان کہتا ہے:-

"ابن العوام اشبیلیہ مین رہتا اور بلند پہاڑون پر (جہان کاشت ہوتی تھی) اپنے تجربے حاصل کرتا، اسکی کتاب صرف فصاحت وبلاغت کا مظہر نہین، بلکہ ان تمام زرعی مباحث ومعلومات کا مجموعہ ہے جو کاشتکاری کے متعلق نبطی یونانی اور رومی زبانون مین موجود تھے، اور جن کے بتائے ہوئے طریق کاشت کے اصول پر اندلس مین زراعت ہوتی تھی"

ماہر فن زراعت انٹونی پاسی اپنے ایک خطبہ مین جو اس نے ۱۸۵۹ء مین فرانس کی ایک زرعی کانفرنس مین پڑھا تھا، لکھتا ہے:-

"ابن العوام کی کتاب کی صرف یہ خوبی نہین، کہ وہ قدیم فنون زراعت پر حاوی ہے، جن کے اصول کے بموجب مدت تک اندلس مین زراعت ہوتی رہی، بلکہ یہ کتاب اس حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے کہ عربون کو علوم طبعیات وکیمیا مین خاص دستگاہ حاصل تھی، درحقیقت یہ کتاب ان تمام تجربون اور

طریقِ کاشت پر حاوی ہے، جو زمانہ قدیم سے بارہوین صدی عیسوی تک دنیا مین رائج رہے اور آج بھی اوسی طرح قابلِ عمل ہین [1]،

یہ کتاب ۱۸۰۲ء مین مستشرق بنکویری کے اسپینی ترجمہ کے ساتھ میڈرڈ سے سب سے پہلی مرتبہ شایع ہوئی، اور مسرت ہو کہ اب دولتِ آصفیہ نظام کی قدر دانی کی بدولت ہمارے ایک لائق و محترم دوست کے ہاتھون سلیس ترجمہ کے ساتھ اردو مین بھی منتقل ہو رہی ہے، اور اس کی پہلی جلد گذشتہ سال شایع ہو چکی ہے،

افاداتِ مہدی

اُردو کے مشہور انشا پرداز مہدی حسن مرحوم جن کے طرزِ انشا کے متعلق مولانا شبلی کی یہ راے تھی کہ حالی اور محمد حسین آزاد کی مجموعی رُوح نے ایک قالب مین جنم لیا ہے" اُن کے مضامین کا مجموعہ "افاداتِ مہدی" کے نام سے چند سال ہوئے کہ چھپا تھا، اور شایقین ادب نے ہاتھون ہاتھ لیکر بہت جلد اوسکو ختم کر دیا تھا، اب دوبارہ مطبع معارف مین بعض اضافون کے ساتھ چھپا ہے، اُردو ادب کے یہ انمول موتی ہین جو کسی اور خزانۂ ادب مین نہین مل سکتے :۔

قیمت :۔ ہے

منیجر

[1] المجمع العلمی العربی ج ۷، ص ۱۱۳،

"گنجینۂ تحقیق"

از

جناب مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے، ایڈوکیٹ اعظم گڈھ

(۱)

"اس کتاب پر اکتوبر کے معارف مین تبصرہ ہو چکا ہے، مگر ہمارے دوست اور خواجہ تاش مولوی اقبال احمد صاحب سہیل نے اس پر اس رنگ مین ریویو لکھا ہے، جس کو ہم بجائے خود ایک گنجینۂ تحقیق کہہ سکتے ہین، اس لیے ایک مزید تبصرہ کے بجائے ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے ہم اس کو شایع کرتے ہین، جناب سہیل کی نغز گوئی کے ساتھ اون کی سخن سنجی و سخن فہمی بھی ہماری مدح و ستایش سے مستغنی ہے، اُنھون نے جس قلتِ فرصت کی تمہید سے اپنے اس کثیر الاوراق مضمون کو شروع کیا ہے، بحیثیت ایک شاہد کے ہم بھی اُس کی تصدیق کرتے ہین، مگر اس تصدیق کے ساتھ اس تصور کو بھی ملایئے کہ یہ پورا مضمون جو شاید معارف کے کئی نمبرون مین آئے، تعطیل عدالت کے دوران مین جو ہر وکیل کے لئے موسم بہار کا حکم رکھتا ہے، ایک سفر مین صرف دو دن کے اندر اس طرح لکھا گیا ہے کہ سوائے "علم سینہ" کے کوئی سفینہ اُن کے پاس نہ تھا، اس سے اربعہ متناسبہ کا یہ حساب بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ اگر مہینہ مین ایک دفعہ بھی وہ ایک دو گھنٹے وقت نکالین تو آٹھ دس صفحون کا مضمون وہ بے تکلف لکھ سکتے ہین، اور ہمین شکایت کا موقع نہ ملے"

اڈیٹر

حضرت یگانہ دموہانی پروفیسر شعیہ کالج کا نام نامی دنیائے ادب مین کسی تعریف اور تعارف کا محتاج نہین

لیکن ایک مصروف وکیل اور وہ بھی اعظم گڈھ جیسے کورده اور دور افتاده گوشہ کا رہنے والا جس دبیت کش ماحول مین بسر کرتا ہے اسکو علم اور اہل علم سے کیا واسطہ؟ یہی وجہ تھی کہ حضرت تجو کی نسبت اس شہرت کمال کے باوجود مجھے صرف اتنی واقفیت تھی کہ بعض ادبی پرچون مین اُن کی ایک آدھ غزل کبھی کبھی نظر سے گذری تھی اور یہ حسن ظن قائم ہوگیا تھا کہ ایک خوش گو، خوش مذاق اور صاحب فن شاعر ہین، اور دورِ حاضر کے اُن شہرت پسند اصحاب سے یقیناً بلند تر ہین جن کی سعی بلند آہنگی اور بھی اُن کی کورسوادی وبدمذاقی کا راز فاش کرتی ہے،

بہرحال سخن گوئی اور سخن فہمی دو جداگانہ مراحل ہین جنکا اجتماع لازمی نہین ہے، سخن گوئی کے لئے محض طبیعت کی مناسبت اور ذوق سلیم کافی ہے مگر سخن فہمی کے لئے اُن امور کے علاوہ وسعت معلومات اور امعان نظر کی ضرورت ہے اور آج کل کے دورِ سطحیت پرستی مین جبکہ سرزمین ہند کے بعض شاداب خطّے ہر برسات مین ایک نبی اور ساتھ ہی اس کے امتیون کی ایک بڑی جماعت پیدا کرسکتے ہین، کسی شخص کے چند مطبوعہ اشعار سے اس کی بصیرت علمی اور ژرف نگاہی کے متعلق راے قائم کرنا بہت مشکل ہے، اور کوئی رائے قائم بھی ہو تو اس کی صحت پر وثوق نہین ہوتا، روز کا تجربہ ہے کہ کسی ادبی پرچہ مین کسی نظم یا غزل کے چند اشعار پڑھکر آپ مصنف کے متعلق اچھی راے قائم کرلیتے ہین، مگر یا تو اسی نظم کے کسی حصہ مین یا اسی شاعر کی کسی دوسری نظم مین آپکو کوئی ایسی فاش غلطی ملجاتی ہے، جس سے قابلیت کا سارا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے، آج ہی ایک مشہور مجلۂ ادبی مین ایک غزل نظر سے گذری جس کے ابتدائی اشعار اچھے خاصے تھے، اور مقطع یہ تھا:-

"جلیل عہد جنون کی شوخیان سبا دہن تنگ طبیعت تھی قیامت کی سکون ناآشنا میری

چونکہ کسی کی تنقیص مقصود نہین، اسلئے مین نے تخلص بدل کر دوسرا ہم وزن لفظ رکھدیا ہی، شاعر صاحب کوئی نومشق نوجوان معلوم ہوتے ہین، اور اچھا خاصہ کہہ لیتے ہین، مگر محض ناواقفیت یا سہل انگاری کی وجہ سے یہ غلطی سرزد ہوگئی ہے کہ تخلص کا آخری حرف یا لفظ عہد کا عین تقطیع شعر کی گرجاتا ہی، اگر فاضل مدیر خود اصلاح کردیتے یا اس شعر کو حذف کر کے بقیہ اشعار غزل شائع کردیتے تو مصنف کی عروضی بیمائگی کا پتہ چلانا دشوار تھا، اسی پرچہ کی ایک نظم مین "خون آشامی" فاعلاتن فاؔ کے وزن پر اور دوسری نظم مین شورش طوفان بہ اعلان نون شایع ہوتا ہے اور ایک نہایت عمدہ نظم مین "روپ دھارا ہے" اختیار کیا ہے "یا بھرا" کے معنی مین استعمال ہوا ہے، مقدم الذکر اغلاط ذراسی توجہ سے درست ہوسکتی تھین اور آخر الذکر بے معنی ایجاد سے بچنے کے لئے تھوڑی سی احتیاط کافی تھی اور ناظرین بآسانی مبتلاے فریب کئے جاسکتے تھے؛ یہان مین نے قصداً بہت خفیف قسم کے لفظی یا عروضی سامحات دکھائے ہین ورنہ آج کل تو نہایت شرمناک قسم کی لغوی اور معنوی غلطیان جو بہ اصطلاح شرع ادب کبائر معاصی مین شمار کی جانے کے قابل ہین اس کثرت سے بیباکانہ زبان زد ہورہی ہین کہ اُن کے استقصا کے لئے ایک دفتر چاہیے، کہین خزائن مسروقہ کے بل پر اظہار تفاخر ہے، تو کہین متاع مستعار کی بدولت مشق تیخ تیز صحیح الفاظ کا غلط استعمال مثلاً تظلم بمعنی ظلم اور قلمکار بمعنی اہل قلم تو اس دورِ جہالت مین ایک عالمگیر مرض تھا ہی، مگر اب تو اختراعِ تراکیب اور ابداعِ مضامین سے گذر کر کچھ ذہن سے تخلیق الفاظ جدید کا ایک بے پایان سلسلہ جاری ہے جس کے لئے کسی صرفی یا نحوی قاعدہ کی پابندی لازمی نہین ہے؛ آج ہی ایک پرچہ مین ایک لفظ "الوہیانہ" نظر پڑا، خدا جانے یہ کس زبان کا لفظ ہے اور کس اصول پر وضع کیا گیا ہے اسی طرح شناسایانہ کی جگہ پر شناسانہ، خندان جبینی کے معنون مین خندہ پیشانی، ہندزاد یا ہندی نژاد کی جگہ پر ہندی زاد، اچھے اچھے اخباری ادیب لکھنے کے خوگر ہین، تانیث کی بجائے تذکیر اور تعدیہ کی بجائے لزوم تو ایک وبائے عام ہے، جس سے بڑے بڑے بھی محفوظ نہین، مثال کے طور پر ایک نہایت مشہور ادیب عصر کی ایک فارسی غزل کا مقطع لکھتا ہون یہ غزل آج سے آٹھ، دس سال پہلے ایک پرچہ مین شایع ہوئی ہے مین نے تخلص کو بدل کر اس کی جگہ "رشید" کردیا تاکہ ناظرین کا ذہن

مصنف کی طرف منتقل نہ ہوسکے، اسی خیال سے کئی برس پہلے کی مطبوعہ نظم سے شعر لیا گیا ہے جو ناظرین کے حافظہ سے یقیناً محو ہوچکا ہوگا تاکہ مصنف کی شہرتِ کمال یا ادعاے ہمہ دانی پر حرف نہ آئے، شعر یہ ہے،

بہ گونہ وارہدم آستان حسن "رشید" ازین گناہ عظیمے کہ من جبین دارم

یہان اس سے بحث نہیں کہ مضمون کیا ہے، کیسا ہے، اور کس کا ہے، اور ان الفاظ سے ادا بھی ہوسکا ہے یا نہیں، آجکل ان باتون کا ذکر ہی کیا؟ مجھے تو اس موقع پر صرف ایک لفظ کے استعمال غلط کی طرف توجہ دلانی ہے ایک طالب علم جس نے صرف آمدنامہ سمجھ کر پڑھا ہو اتنا جان سکتا ہے کہ وارستن مصدر لازم ہے جس کے معنی ہین آزاد ہونا' متعدی یعنی "آزاد یا بری الذمہ کرنیکا" مفہوم اس سے ادا نہیں ہوسکتا، پھر "وارہدم" کے ساتھ میم مفعولی کیسی؟ یہ نمونہ ہے اُس شخص کے زورِ قلم کا جو آج دنیاے ادب مین نبوت سے گذر کر خدائی کا مدعی ہے اور خدا جانے کتنے بندگانِ خدا اس پر ایمان بھی لا چکے ہین اس اظہارِ حق سے حاشا و کلا مجھے کسی کی پردہ دری تشہیر یا تحقیر مقصود نہین ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ ملمع کے اس رواج عام نے زرِ خالص کی بھی وقعت کھو دی، اور جسطرح اشتہاری دواؤن پر اعتماد نہین رہا ہے اسی طرح اخباری ادیبون کی نسبت بھی حسن ظن پیدا ہونا بہت دشوار ہو گیا ہے اور اس طوفانِ بے تمیزی مین اگر کوئی اکا دکا صاحب فن بھی سامنے آجاتا ہے تو امتیاز مشکل ہوتا ہے، رہ رہکر اندیشہ ہوتا ہے کہ کہین یہ بھی فریبِ نظر نہ ہو، لیکن اگر مسلسل تجربات اور پیہم امتحانات کے بعد کوئی کامل العیار ہستی ملجاتی ہے تو پھر سرور کا عالم نہ پوچھئے زبان سے بے اختیار صداے تحسین نکل جاتی ہے اور وہی سمان ہوتا ہے جیسے صحراے افریقہ مین فریبِ سراب کے کسی ستمزدہ کو اتفاقاً آب روان کا چشمہ ملجائے،

غالباً تین چار سال ہوئے میرے ایک غائبانہ کرمفرما جناب شوق سندیلوی نے اپنی ترتیب دی ہوئی کتاب "اصلاحِ سخن" کے ابتدائی اجزا، ریویو کے لئے بھیجے' یہ بھی مصنف کا حسن ظن تھا ورنہ مین نہ تو کسی ادارۂ احتسابِ ادب کا رکن ہون نہ کسی اخبار یا رسالہ کا مدیر، نہ اپنے مشاغل سے اتنی

فرصت، بہرحال تقریظ لکھنا یا نہ لکھنا تو بعد کا سوال تھا مگر تعمیلِ ارشاد کے لئے پہلے کم سے کم ایک مرتبہ کتاب کا پڑھ لینا ضروری معلوم ہوا، اور کتاب بھی خود اس درجہ دلچسپ کہ نا تمام چھوڑی بھی نہ جا سکتی تھی اس طرح یہ سلسلۂ مطالعہ عرصہ تک رہا، شوق صاحب کی یہ تالیف کاہے کو ہے شعراے عصر کی دماغی ساخت کا ایک زندہ عجائب خانہ ہے، مصنف نے اپنے ابتدائی مشق کا کلام تمام مشاہیرِ عصر کی خدمت مین اصلاح کے لئے بھیجا تھا اور جو اصلاحین ہوئین یا اس کے متعلق جتنی خط و کتابت ہوئی تھی وہ کل شائع کردی ہے، یہ خطوط کیا ہین اچھے خاصے زعفران زارِ ادب ہین فاضل مصنف نے ایک شعر مین لفظ "محشرستان" باندھا تھا، اس ایک لفظ نے وہ قیامت برپا کردی کہ الامان، ایک مدعی استادی نے جو غالباً "منشوب" کے منتہی معلوم ہوتے ہین فوراً اعتراض جڑ دیا کہ محشر بروزن مفعل اسم ظرف کا صیغہ ہے جس کے معنی خود جاے حشر کے ہین پھر "ستان" کیا، شوق صاحب پڑھے لکھے آدمی ہین اور غالباً اس اعتراض کی سطحیت سے واقف ہون گے، مگر ستم ظریفی دیکھئے انھون نے دوسرے اساتذہ کا بھی امتحان لینا چاہا اور اس اعتراض کے متعلق ہر ایک سے استفسار شروع کردیا، اور لطف یہ کہ اُن مین سے اکثر باکمالون نے معترض کی تائید فرمائی، صرف چند نے اختلاف کیا، از انجملہ اطہر صاحب ہاپوڑی نے قدما کے کلام سے "محشرستان" کی سندین بھی پیش کردین لیکن اصل اعتراض اور لفظ محشر کے صحیح مفہوم کی جانب انھون نے بھی توجہ نہ فرمائی، اب یہ تمام قضیہ بطور مرافعۂ ثانیہ قول فیصل کی غرض سے اس ادیبِ عصر کی خدمت مین پیش ہوا جس نے اپنی ہمہ دانی کا صور اس بلند آہنگی سے پھونک رکھا ہے کہ آرمیدگانِ خاک کی نیندین بھی اچٹ گئی ہین، اس فاضل عصر نے نہایت متبحرانہ اور ملہمانہ انداز مین حکم ناطق دیدیا کہ محشرستان غلط ہے اور اساتذۂ قدیم کے لکھ دینے سے غلط لفظ صحیح نہیں ہوسکتا، جہل مرکب کا یہ مظاہرہ اور انانیت کا یہ طوفان دیکھ کر پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور جی مین آیا کہ شوق صاحب کو لکھ دون کہ محشر مصدر میمی اور حشر کا مترادف ہے اس کو اسم ظرف کس نے کہا؟ پھر خیال ہوا کہ بھلا

وہ اتنا بھی نہ جانتے ہون گے، حالانکہ اتنا علم تو اس طفلِ مکتب کے لئے بھی ضروری ہے جس نے یہ شعر سمجھ کر پڑھا ہو "روزِ محشر کہ جانگداز بود، اولین پرسش نماز بود" ممکن ہے کہ یہ سارا قصہ شوق صاحب کا ایک سنجیدہ مذاق ہو، اور اس کتاب کی ترتیب و اشاعت کا مقصد ہی موجودہ مدعیانِ کمال کی پردہ دری ہو، پھر اگر مین نے بھی سنجیدگی کے ساتھ مفتیِ ادب کا منصب قبول کر لیا تو شوق صاحب کو اپنے مذاق کی کامیابی مین شک کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، اس خیال کے آتے ہی مین نے لکھا لکھایا خط پھاڑ ڈالا، اس واقعہ کے چند ہی روز بعد شوق صاحب نے کتاب کے بقیہ اجزا بھی بھیجدئے، انھین مین جناب نجو د موہانی کا وہ خط بھی تھا جسمین لفظِ محشرستان کے متعلق انھون نے اپنی رائے دی ہے، یہ خط پڑھنے کے بعد مین نے اطمینان کی سانس لی کہ بارے اتنے بڑے خرمن مین ایک دانہ تو ہے،

یہ پہلا واقعہ تھا کہ جس سے جناب نجود کے متعلق میرے حسنِ ظن کو تقویت پہنچی اور غالباً اسی کے چند سال بعد مین نے نیرنگِ خیال مین پروفیسر نجود کا وہ مضمون پڑھا جس کا عنوان ہے "آرگس بے حجاب بجواب غالب بے نقاب" یہ مضمون تنقید ادبی کا ایک شاہکار اور اُردو ادب مین ایک قابلِ قدر اضافہ ہے، مین نے اسکو شروع سے آخر تک بالاستیعاب پڑھا اور بے ساختہ جی چاہا کہ صاحبِ مضمون کہین ملتے تو جی بھر کے اُن کی حق گوئی اور نکتہ رسی کی داد دیتا، اتفاقاً ایک مشاعرے کے سلسلہ مین امسال وہ اعظم گڈھ آئے اور مجھے اس فریضۂ ادبی کی ادائگی کا موقعہ ملا، جناب ممدوح نے اس سپاس گذاری کا صلہ مزید احسان کی شکل مین دیا اور اپنے بانج بیش بہا تنقیدی مضامین کا مجموعہ جو گنجینۂ تحقیق کے نام سے حال مین شایع ہوا ہے مرحمت فرمایا، مین پہلے ہی سے مصنف کا عقیدت مند تھا اور اس مجموعہ نے تو اور بھی جناب ممدوح کی وسعتِ مطالعہ، دقتِ نظر، صحتِ ذوق، اصابتِ رائے، قدرتِ ادا، اور دیانتِ تنقید کا معترف بنا دیا، ناسپاسی تھی اگر اسکے بعد بھی مین خاموش رہتا اور زبان اُردو پر جو احسان جناب نجود نے اپنے ان مضامین کے ذریعہ کیا ہے اس پر اظہارِ خیال نہ کرتا،

یہ ہی تقریب اُن سطور کی جو ذیل مین نذرِ ناظرین کیجائینگی، آپ اسے تمہید سمجھین یا اعتذار، مگر گریز سے پہلے یہ تشبیب اس لئے ضروری تھی کہ یہ نیاز مند بھی کہین پیشہ ور تبصرہ نگار نہ سمجھا جائے، حالانکہ ایک طرف تو مکروہاتِ دنیا سے اتنی فرصت نہین کہ ہر کرمفرما کی تعمیلِ ارشاد کی جائے، دوسری جانب مصیبت یہ ہے کہ اگر سچ لکھو تو شکایت اور جھوٹی مداحی کرنا چاہو تو اسکا سلیقہ نہین،

تنقید ادب کی دو قسمین ہین ایک اجمالی و اصولی دوسری جزئی اور تفصیلی، ایک مین اصل فن ادب کی تدریجی نشو و نما، مختلف ادوار مین مختلف تغیرات، اور اُن تغیرات کے تاریخی، جغرافیائی، اور معاشری اسباب کا بحث ہوتی ہے، پھر فلسفیانہ حیثیت سے کسی ادبی تخلیق کے جمالیاتی نفسی اور اجتماعی پہلو پر نظر کی جاتی ہے، وھلم جرًا

دوسری قسم تنقید مین اصولی اور عمومی مباحث سے اگرچہ قطع نظر ممکن نہین ہے مگر زیادہ توجہ جزئیات پر صرف کی جاتی ہے اور کسی مصنف کے نتائجِ فکر کو لیکر اُس کے معانی و مطالب کی توضیح اور محاسن و معائب کا اظہار اس طرح کیا جاتا ہے کہ ایک ایک خط و خال سامنے آجائے، مثلاً الفاظ کی فصاحت یا ثقل، تراکیب کی چستی و روانی یا تنافر و تعقید، تخیل کی بلندی یا پستی، طرزِ ادا کی ندرت یا سوقیت ایک ایک کرکے دکھائی جاتی ہین اور بعض اوقات دوسرے اساتذہ کے ہمرنگ کلام سے موازنہ کیا جاتا ہے یا دوسرے ناقدین کے آرا و خیالات پر محاکمہ ہوتا ہے،

زبانِ اردو تنقید ادبی کے اعتبار سے اب تک تہی مایہ ہے، صرف چند کتابین ہین جو انگلیون پر گنی جا سکتی ہین اور وہ بھی چندان قابلِ ذکر نہین ہین، البتہ شعر العجم اور حیات سعدی اپنے اپنے رنگ مین بے مثل کتابین ہین اور جناب نجود کا یہ مجموعہ مضامین بھی ایک جدید اضافہ ہے، پہلا مضمون آئینۂ تحقیق دیوان غالب کی اردو کی شرحون پر ایک سرسری نظر ہے جس مین فاضل مصنف نے غالب کی ایک غزل بطور نمونہ لے کر اس کی شرح کی ہے اور ضمناً جناب شوکت میرٹھی مرحوم، حضرت طباطبائی اور جناب حسرت موہانی کی

شرحون پرنا قدانہ نظر ڈالی ہے، اس مضمون کی تردید او دھ پنچ لکھنؤ مین "نقد النقد بیخودی" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی جس مین جناب بیخود کی تحریر اور توضیح مطالب پر نکتہ چینی کی گئی تھی اور لگے ہاتھون غالب مرحوم پر بھی اعتراضات کی بوچھار تھی، اس مضمون کا جواب نہایت متانت کے ساتھ مدلل اور محققانہ انداز مین جناب بیخود نے دیا ہے، یہ جوابی مقالہ "سرمۂ تحقیق" اس مجموعہ کا دوسرا مضمون ہے، تیسرا مضمون "سرمایۂ تحقیق" یا "نرگس بے حجاب" بھی غالب ہی کے متعلق ہے اور اس مضمون کا جواب ہے جو کسی معشوق نے اہل نظر کے خوف سے "نرگس کا نقاب ڈالکر غالب بے نقاب" کے عنوان سے "نگار" مین شایع کیا تھا اور جس مین پردۂ زنگاری کے آڑ سے فریب خوردگان سیمیا کو یہ دکھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ غالب کے تمام بہتر اشعار دراصل بزرگان سلف کی متاع مسروقہ ہین، حالانکہ خود یہ مضمون بھی یا تو جناب یاس عظیم آبادی کے اُس مضمون کا چربہ ہے جو آج سے چند سال پیشتر معتقدین غالب سے انتقام لینے کے لئے شایع کیا گیا تھا، یا جناب آسی کی شرح دیوان غالب کی صداے بازگشت، حضرت بیخود نے اپنے مذکورۂ بالا مضمون مین نہایت سنجیدگی سے استدلال نرگس کے تمام تار و پود بکھیر کر رکھدئے ہین اور ضمناً سہا صاحب کے جوابی مضمون پر نظر ڈالی ہے، اس طرح پر اس مجموعہ کے تین مقالات غالب کے دیوان اردو یا اُس کے شارحین و معترضین سے متعلق ہین، چوتھا مضمون "آیۂ تحقیق" خاقانی کے ایک قصیدے پر تین پروفیسر صاحبان یعنی مولانا نامی الہ آبادی، جناب شاداں بلگرامی اور حضرت شاد مان لکھنوی کی شرحون کا محاکمہ ہے اور سب سے آخری مضمون جو "آیۂ تحقیق" کے نام سے موسوم ہے، جناب حکیم ناطق لکھنوی کے تبصرۂ اصلاح سخن کی تنقید ہے،

غرض کہ ان مضامین کا موضوع بحث زیادہ تر نقد التنقید یا محاکمۂ ادبی ہے، اس طرح کے مضمون اگر ذاتیات سے علحدہ ہو کر صحیح تنقیدی معیار کے مطابق لکھے جائین، تو منتہیون کے لئے بہترین دماغی تفریح اور مبتدیون کے لئے مفید ترین درس بصیرت ہو سکتے ہین، مگر ملک کی بدقسمتی سے ابتک اس نوعیت کی جتنی تحریرین نظر سے گذری ہین وہ بیشتر نہ تو آشناے فن ہو کر لکھی گئی ہین، نہ لب و لہجہ مین وہ متانت باقی

رہ گئی ہے جو اس طرح کے علمی مضامین کے لئے سب سے زیادہ ضروری عنصر ہے، بیجا تعصب، اپنی بات کی پچ، مخاطب کی تحقیر، ذاتیات سے بحث، انداز بیان مین مجادلانہ خشونت اور بسا اوقات سفیہانہ سب و شتم سے بھی گریز نہین ہوتا،

جس کی تعریف پر اتر آئے اسکو آسمان تک اچھال دیا، جسکی مخالفت شروع کر دی اس کے محاسن کو بھی معائب کا رنگ دیدیا، مختصر یہ کہ تنقید یا تو مدحیہ قصیدہ بنجاتی ہے، یا طومار ہجو و دشنام رہجاتی ہے، خدا کا شکر ہے کہ جناب بیخود کا یہ مجموعۂ مضامین ان معائب سے بالکل پاک ہے، شروع سے آخر تک آپ کو ایک حرف بھی ایسا نہ ملیگا جس مین مناظرانہ تلخی پائی جاتی ہو یا سنجیدگی و متانت کا دامن ہاتھ سے چھوٹا ہو، حد سے زیادہ اشتعال انگیز مواقع پر بھی انتہائی ضبط اور بلند نظری سے کام لیا گیا ہے، نہ تائید مین بیجا پاسداری کی گئی ہے، نہ تردید مین تحقیر اور دل آزاری کا پہلو اختیار کیا گیا ہے، معاصرین یا متقدمین کا جہان کہین نام لیا ہے انتہائی ادب و احترام ملحوظ رکھا ہے، بلکہ مین تو یہ کہونگا اس مین ایک حد تک غیر ضروری مبالغہ کیا گیا ہے اور لفظ "علامہ" کا استعمال اکثر مقامات پر بے محل اور موجودہ اخباری دنیا کی تقلید پر مبنی ہے،

اتنی احتیاط اور سنجیدگی سے بسا اوقات تحریر کی شگفتگی باقی نہین رہتی اور یا تو مولویانہ ثقاہت پیدا ہو جاتی ہے یا فلسفیانہ یبوست، جو ایک ادبی مضمون کے لئے کسی طرح بھی موزون نہیں ہے مگر حضرت بیخود کے سحر کار قلم نے انتہائی تہذیب و متانت کے باوجود ان مضامین کا دامن ظریفانہ بذلہ سنجیون اور ادیبانہ گلکاریون سے خالی نہین چھوڑا ہے اور "نرگس بے حجاب" والا مضمون تو سر تا پا لطافت و رنگینی ہے، خصوصاً تمہید کے چند ابتدائی صفحات دید کے قابل ہین، ملاحظہ ہو،

"دنیا! ہنگامہ پرست دنیا! - دنیا! امارہ پرست دنیا تو ہمیشہ کا فرماجرائیون کا طلسم نظر آئی، خندۂ امت گریۂ نوح کا ہم آہنگ ٹھہرا، تعلیم کلیم کے ہوتے گوسالہ پرستی نے زور پکڑا، چراغ مصطفوی کے

آگے شرار بولہبی نے سر اُٹھایا، وحی ربانی کے سامنے مسیلمہ کے لایعنی اقوال کا حکم پڑھا گیا، اور یہ سب ایک طرف قادر مطلق خدائے لاشریک کی موجودگی میں پتھر کی مورتوں کو سجدہ کیا گیا، پھر آج جو ہو رہا ہے اُس پر حیرت کیسی، اگر کچھ ذرہ ہائے زمین گیر خنکو پستی تحت الثریٰ کی کھینچ رہی ہے، لفاظی کی آندھیوں کے زور سے نقطۂ عروج آفتاب تک پہنچائے جا رہے ہیں تو حیرت کا محل نہیں، اور اگر کچھ ستارہ ہائے فلک سیر کمند فریب کے بل پر اوج ثریا سے خاک نمناک کی طرف لائے جا رہے ہیں تو استعجاب کا مقام نہیں، نہ وہ کوشش کامیاب ہے نہ یہ سعی مشکور، ہاں عامۃ الناس کے گمراہ ہو جانے کا خوف زبان کو ساکت اور قلم کو گوشہ گیر نہیں رہنے دیتا، ....

جب صعود کی ٹھانتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ کوئی پیغمبر اُولوالعزم محو خطبہ خوانی ہے، جب کچھ اور بلند ہو جاتے ہیں تو گمان ہوتا ہے کہ معاذ اللہ ذات احدیت سراپردۂ قدس سے سرگرم لن ترانی ہے، ....

مدیر نگار کے وہ احباب جن کی آنکھوں پر کور سوادی یا محبت نے پردہ ڈال رکھا ہے وہ اُس جلوۂ نیرنگ یا نیرنگ جلوہ پر سجدۂ حیرانی بجا لاتے ہیں اور اسکو اُن کی ہمہ دانی، روشن خیالی، ہمہ رنگی اور خدا جانے کن کن ناموں سے یاد فرماتے ہیں،

....

آپ نے ٹھان لی ہے کہ خدا نے جن سروں پر تاج کرامت رکھا ہے، اُن کو برہنہ کر دیں، مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے سروں کا کھل جانا انتقام قدرت کی خبر دیتا ہے، اور انتقام قدرت خدا کی پناہ،

اس موقع پر میں یہ عرض کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس مجموعۂ مضامین میں بعض مقامات پر مثلاً [illegible] تحقیق کے دیباچہ میں رنگینی حد اعتدال سے تجاوز کر گئی ہے جس سے تکلف اور تصنع کی بو آگئی ہے

اور بعض مقامات پر عبارت مقفیٰ ہو گئی ہے جس سے فسانۂ عجائب کا رنگ جھلکتا ہے، حالانکہ میرے خیال ناقص میں علمی مضامین کے لئے اتنی رنگینی نہ صرف غیر ضروری بلکہ نامناسب بھی ہے،

اب لگے ہاتھوں لطیف بذلہ سنجیوں کے بھی چند نمونے بطور مشتے از خروارے ملاحظہ ہوں،

۱۰۶ جناب آرگس ارشاد فرماتے ہیں "کیا الہامی کتابوں کے بعض الہامات بھی مستعار ہوتے ہیں؟" اس ارشاد سے بھولے پن کی ادا نکلتی ہے، بندہ پرور حقائق بدلا نہیں کرتے اور الہامی کتابوں میں الہامات مستعار ہوتے ہیں مگر الہامی کتابوں سے ماوشما کی ہفوات سے نہیں اور الہامی کتابیں تو خیر الہامی کتابیں ہیں، وحی ربانی بھی متوارد ہوتی ہے،

۱۰۸ جناب آرگس اس وقت اپنے کمالوں کو مٹانے کا بیڑا اٹھا رہے ہیں جب دنیا اپنے کمالوں کو اچھالنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے، فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۰۹ اس نگاہ اولین کے صدقے جائیے اگر نگاہ آخرین ہوتی تو خدا جانے کیا قیامت ڈھاتی،

۱۳۲ خدائے بصیرت حضرت آرگس کو سو کی جگہ دو ہی آنکھیں دے مگر ایسی جن سے دکھائی دیتا ہو،

سب سے بڑی خوبی ان مضامین کی دیانت نقد ہے، جو کچھ لکھا ہے منصفانہ لکھا ہے اور جو بات کہی ہے تحقیق کی کہی ہے، غرضکہ ہزاروں صفحات کے مطالعہ کا نچوڑ اور ایک عمر کی غور و خوض کا ماحصل چند سطروں میں یکجا کر دیا ہے، غالب کے متعلق اس سے بہتر مضمون اب تک میری نظر سے نہیں گذرا، مشکل اشعار کے حل میں دقت نظر کے ساتھ ساتھ ادائے مطالب کے لئے پیرایۂ بیان اتنا دلکش اختیار کیا ہے کہ عبارت کی شگفتگی اور دلآویزی زبان حق گو سے خراج تحسین لیکر رہتی ہے اور دقیق سے دقیق نکتۂ بلاغت بھی حسن بیان کے طفیل میں ذہن نشین ہو جاتا ہے، یہ نہیں کہ شرح کی عبارت شعر سے زیادہ چیستان بن کر رہ جائے اور ایک مبتدی کے ذہن میں نفس مطالعہ سے جو دھندلا سا خاکہ مفہوم شعر کا آیا ہو وہ بھی شرح کی ژولیدہ بیانی کی بدولت محو ہو جائے۔

مین یہ نہین کہتا کہ ان مقالات خمسہ مین جو کچھ کہا گیا ہے وہ اپنے مبحث پر لفظ مختتم ہے جس مین کسی ردوبدل یا حک واضافہ کی گنجایش نہین ہے تاہم اس مین بھی کوئی شبہہ نہین ہے کہ کہ اشعار غالب ؔ خاقانی کے حل مین اکثر مقامات مین جو لکھ رہا ہے وہ اپنے موضوع بحث پر قول فیصل ہے، اور اس سے زیادہ جو کچھ کہا گیا ہو یا کہا جائے وہ محض شارح کی خیال آفرینی اور توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہوگی، لیکن اسکے یہ معنی نہین کہ حضرت نجم دام معصوم سمجھے جائین بڑے بڑے اکابر ادباء سے مسامحات ہوئے ہین ہوتے ہین اور ہون گے مگر واقعہ یہ ہے کہ مجموعۂ مضامین اپنے جگہ پر بحیثیت مجموعی اردو زبان کے سرمایۂ ادب مین ایک گرانقدر اضافہ ہے، چند صفحات مین نکات ادبی کا ایک بے بہا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے جو اہل نظر کے لئے دلچسپی اور طلبہ کے لئے ترقی واستعداد کا باعث ہوگا،

اگر یونیورسٹیون کے ارباب حل وعقد کو واقعۃً طلبہ مین ذوقِ مطالعہ کی پرورش، قوت آخذہ کی تربیت، صیانت فکر کی نشو ونما، اور اصابتِ رائے کی ترقی مد نظر ہے تو اس کتاب کو یقیناً داخلِ نصاب کر دینا چاہئے، کیونکہ ان مقاصد کے حصول مین اس سے ایک بڑی حد تک مدد ملے گی، اور طلبہ یہ معلوم کر سکین گے کہ لفظون کے ذرا سے الٹ پھیر مین بلاغت کے کتنے نکات اور معانی کے کتنے خزانے مخفی ہو سکتے ہین،

جی چاہتا تھا کہ اس اجمالی تبصرہ کے بجائے زیادہ تفصیل سے کام لیتا اور ناظرین کو پروفیسر بیخود کی نکتہ آفرینیون کے نمونے دکھاتا مگر اندیشہ ہے کہ ناظرین طول بیان سے گھبرا جائینگے، علاوہ برین نقد التنقید پر تفصیلی تبصرہ سے بجز مشق سخن کوئی فائدہ نہوگا اور وہی علم کی شرح در شرح اور تعلیق بر تعلیق کا نمونہ پیش نظر ہو جائے گا، اس لئے مقالات زیر نظر کے ان حصص کے متعلق جن مین یہ ناچیز جناب مصنف کا ہم نوا ہے، سطور بالا پر اکتفا کی جاتی ہے، البتہ جن امور سے اختلاف ہے اُن کی نسبت اظہار خیال ضروری معلوم ہوتا ہے۔ (باقی)

خاور نامۂ دکھنی

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی ایف، آر، اے، ایس (لندن)

یہ ایک دکھنی رزمیہ مثنوی ہے، جو بعہد عادل شاہ بیجاپور (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۷ھ) تصنیف ہوئی ہے، چونکہ یہ فارسی خاور نامہ کا ترجمہ ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے، اولاً اصل فارسی کتاب کے متعلق صراحت کی جائے،

خاور نامہ فارسی ابن حسام کی تصنیف اور ۸۳۰ھ مین مرتب ہوئی ہے، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم مین اور دو نسخے انڈیا آفس مین موجود ہین، برٹش میوزیم کا نسخہ باتصویر ہے، جو ۹ رمضان ۸۸۱ھ مین لکھا گیا ہے، اس کا ذکر فارسی قلمی نسخون کے کیٹلاگ کے صفحہ (۷۴۲) نمبر (۱۹۷۶) پر درج ہے، اس کو مول چند ملتانی نے نواب کمال الدین خان کے لئے لکھا ہے،

انڈیا آفس کا ایک نسخہ باتصویر ہے، جس کا سنہ کتابت درج نہین ہے، دوسرا نسخہ باتصویر ہے، یہ جمادی الاول ۹۶۵ھ کا لکھا ہوا ہے، کاتب محمود بن عبد الرحمن ہے،

ابن حسام کو بعض اصحاب حسام الدین اور بقول بعض محمد حسام کہا جاتا ہے، یہ قہستان کا باشندہ اپنے زمانہ کا نامور باکمال عربی اور فارسی کا شاعر تھا، خاور نامہ کے علاوہ اس کی دیگر تصانیف بھی ہین، بعہد عمر مرزا ابن تیمور گورگان ۸۷۵ھ مین اس کا انتقال ہوا، "خوسف" مین مدفون ہے،

اس نے خاور نامہ کو شاہ نامہ فردوسی کی تقلید مین لکھا ہے، اس لئے اس کو فردوسی ثانی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے، ابن حسام نے خاور نامہ مین فردوسی کی تعریف کی ہے،

اس کتاب مین کسی بادشاہ کی مدح نہین ہے، اور مصنف نے ظاہر کیا ہے، کہ صرف ایک روٹی پرگذر ہوتی تھی، چنانچہ لکھتا ہے:۔

بیک قرص تاشب از بام گاہ — قناعت کنم چو خورشید و ماہ
خکم چون بیک نان توان کرد سیر — نکش منتِ سفرۂ اردشیر

ایتھے انڈیا آفس کے کیٹلاگ کے مصنف کا بیان ہے کہ اس کتاب کا مواد ایک عربی کتاب سے لیا گیا ہے، تصنیف کی تاریخ خود مصنف نے بیان کی ہے:۔

چو بر سال ہشتصد بیفزود سی — شد این نامہ تازیان پارسی
مرا این نامہ را خاوران نامہ نام — بنادم بر آنکہ کردم تمام

انڈیا آفس کے باتصویر نسخہ مین علی ابراہیم خان نے ۱۱۸۹ھ مین کتاب اور مصنف کے متعلق مختصر فارسی نوٹ درج کیا ہے، جو حسبِ ذیل ہے:۔

"نام این کتاب خاور نامہ، نام مصنف این کتاب ابن حسام است، کہ فاضل و شاعر کامل ساکن قہستان من اعمال خراسان بود، اشعار در عربی و فارسی بسیار گفتہ است، اینکہ خاوران نام ولایتی از خراسان و مسکن مصنف این کتاب از توابع خراسان است و نیز بسبب اینکہ خاوران در لغت شرق و مغرب را گویند و بقول مصنف این فسانہ ہا در مغرب زمین روداہ بنابرین خاور نامہ نام نہاد، و این خاور نامہ در مملکت ایران خاصہ در اصفہان و خراسان شہرت داد، اگرچہ اصل این حکایتہا از صورت راستی معرا است، ابن حسام مصنف خاور نامہ مذکور در وقت شیخ عمر مرزا ابن امیر تیمور بسال ہشتصد ہفتاد و پنج ہجری وفات یافت و در قصبہ خوسف من اعمال قہستان خراسان مدفون شدہ،

الحال کہ سال یکہزار ہفتصد و ہشتاد و نہ عیسوی ست بحساب سال ہجری فوت ابن حسام

مصنف خاور نامہ را سہ صد و بست و ہشت سال گزشتہ و مجموعہ ابیات خاور نامہ بست و سہ ہزار ہفتصد و سی و پنج بیت بشمار آمدہ و مجموعہ تصویرات این کتاب یکصد و پنجاہ و بست صفحہ (؟) اوراق است و مجموعۂ اوراق این کتاب سہ صد و ہشصت و دو ورق است، و اغلبکہ این کتاب بفرمائش بادشاہ یا امیر والاجاہ تیار شدہ باشد، کتبہ علی ابراہیم خان در ۱۱۸۹ء"

کتاب مین کس قصہ کو بیان کیا گیا ہے، اس کا ہیرو کون ہے؟ ان امور کی صراحت آگے کیجائے گی، جیسا کہ قبل ازین مین نے لکھا ہے، "خاور نامہ دکھنی" اس فارسی خاور نامہ کا ترجمہ ہے، جس کو رستمی نے بیجاپور مین کیا ہے،

جہان تک میرا خیال ہے، اس کتاب کا کوئی نسخہ ہندوستان مین نہین ہے، اس لحاظ سے اس کتاب کے متعلق جن جن اصحاب نے صراحت کی ہے، وہ اصل کتاب کے علم کے بغیر صرف کیٹلاگون کے معائنہ سے کی ہے، اور بعض جگہ قیاسات کو بھی دخل دیا گیا ہے، جو واقعات کے خلاف ہوتا ہے، مثلاً بیان کیا گیا ہے، کہ "اسمین محاربات حضرت علی علیہ السلام مذکور ہین" اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شاید حضرت علیؓ کی خلافت کے جنگون کا ذکر ہوگا، حالانکہ ایسا نہین ہے،

رستمی کے تخلص کے متعلق یہی غلط فہمی ہوئی ہے، اور بجائے رستمی کے "رسمی" خیال کیا گیا ہے، حالانکہ رستمی ہی صحیح ہے،

یہ کتاب کس نے لکھی؟ کب لکھی؟ کیون لکھی؟ ان امور کی صراحت مین اپنے الفاظ مین کرنے کے بجائے، اس فارسی عبارت کو درج کرنا مناسب خیال کرتا ہون جو اسی کتاب کے آخر مین درج ہے، اور جس کے مواد سے مرتبین کیٹلاگون نے استفادہ کیا ہے:۔

"سبب منظوم کردن خاور نامہ دکھنی آن بود کہ علیا جناب خورشید نقاب قدر افزای دیہیم عفت مسند آرای کشورِ عصمت زینت بخشِ جلیا ی مخدرات مجلس آرای حجرات طاہرات والا مرتب

سمو مناقب خدیجہ سلطان شہربانو الملقب بڑی صاحب دامت عفتہا وعصمتہا، کہ بصدق ویقین ویقین

صدق خود را کنیزک پنج تن پاک حضرت بہترین امام پیشوائے عظام مفتدل اکرام حضرت دوازدہ

امام علیہ الصلوٰۃ والسلام، وحضرت فاطمہ زہرہؓ، خدیجہ کبریٰؓ وچہاردہ معصوم پاک کردہ (؟)......

درج شرفناک ودُرِ اعظم برج لولاک اند خوانده وصبیہ طیبہ شاہ گردون بارگاہ، قطب فلک عز وجاہ

سلطان محمد امین قطب شاہ ابن قطب شاہ است وخواہر نیکوسیر شاہ گیتی پناہ کسریٰ کلاہ سلطان عبد اللہ

قطب شاہ ابن قطب شاہ است، وزوجہ شاہ سلیمان بارگاہ جم قدر سکندر سپاہ خاقان فریدون فر،

قیصر والا منظر سلطان دین پناہ ابو المنصور سلطان محمد غازی عادل شاہ ابن ابراہیم عادل شاہ است،

ووالدہ صالحہ ارشد ارجمند کامگار موید منصور بختیار قرہ ناصرہ دولت واقبال غرہ ناصیہ حشمت

وجلال سعادت سند ابدی وازلی شاہزادہ عالم وعالیشان شاہ علی مدعرہ راچنین بخاطر رسید کہ

خاور نامہ فارسی اگر بزبان دکھنی منظوم شود بہتر است پس فرمود (؟)......، کہ این کتاب خاور

نام را بزبان دکھنی منظوم کند، ودر ابراحم گوناگون شاہانہ وعواطف بوقلمون خسروانہ ممتاز

فرمودہ، از ابنائے زمان وسخنوران دوران سرفراز گردانم، بنابران محرمان سراپردہ عظمت

تفحص بسیار وتردد بے شمار این مژدہ بہجت افزا وبشارت دل کشا بہ کمال خان ابن اسمٰعیل خطاط

خان دبیر کہ دبیر قدیم ششش کرسی درگاہ عدالت پناہ است وبزرگانش بخطاب خطاط خان نوازش

یافتہ اند وطبع نقادش در فن شاعری مہارتے تمام دارد ودر سلک نظم ونثر درناسفتہ راسفتہ آوردہ،

ودر اشعار تخلص خود رستمی کردہ ودر قصائد وغزلیات فارسی ودکھنی بلاغت از حد بردہ رسیا بندد (؟)

رستمی حسب الفرمودہ ملتمس زمان وصنوف اعطاف بے کران قبول این معنی گشتہ رستانہ رخش

فصاحت فارسی را میدان بلاغت دکھنی جولان دادہ ہر بیت بیت فارسی را بہ بیت بیت دکھنی

انتظام دادہ تا نسخ خاور نامہ دکھنی کردہ از تائید ربانی واز فیض سبحانی بست وچہار ہزار بیت

در یکسال ونیم تسوید نمودہ ترقیم وترتیب کتاب نمود واز توفیق الٰہی باتمام رسید،

امیدوار درگاہ مجیب الدعوات اند کہ کارفرمائی این کتاب را از نخل بخت وعمر برخوردار گردانید

بمراد دل برسانند، مولف ونویسندہ وسامعہ وخوانندہ را نیز از فضل خویش بی بہرہ نگذارد"

بیان مندرجہ بالا سے بخوبی واضح ہے، کہ کمال خان کا تخلص رستمی صحیح ہے نہ کہ رستمی جیسا کہ بعض صحاب

کا خیال ہے،

اشعار مین بھی متعدد جگہ جہان تخلص آیا ہے، وہان رستمی ہی لکھا گیا ہے چنانچہ کہتا ہے:-

کیا ترجمہ دکھنی ہنور دلپذیر ۔۔۔ بولیا معجزہ یو کمال خان دبیر

خلق کہتی ہے مجھ کمال خان دبیر ۔۔۔ اور تخلص سو ہے رستمی بے نظیر،

کیا رستمی اس وقت یو کتاب ۔۔۔ بندیا بات کی گوہران بے حساب

خاور نامہ دکھنی کیتا ہون تام ۔۔۔ ہوا خاوران پر قصہ سب تمام

لے اوسے جو مستی اچھے مجھ مدام ۔۔۔ کرے رستمی کون او عالی مقام

رستمی کے تخلص کے متعلق فیلن نے بھی دھوکہ کھایا ہے، مگر اس کا دھوکہ کھانا ناگزیر تھا کیونکہ

گارسی ڈی تاسی کا تذکرہ اس کے پیش نظر تھا، جس مین رستمی مذکور ہے، اسپرنگر کے کیٹلاگ اور اسٹوارٹ

(STEWART) کی کیٹلاگ مین یہ کتاب شریک نہین ہے،

یہ کتاب جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے سلطان محمد عادل شاہ ابن ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد

مین مرتب ہوئی ہے، سلطان کا زمانہ حکومت ۱۰۳۷ھ سے ۱۰۶۷ھ تک ہے،

محمد عادل شاہ اپنے باپ کے بعد مالکِ تخت وتاج بنا، باپ کی طرح یہ بھی اربابِ کمال کا قدردان

اور اہلِ علم کا سرپرست تھا، اس کے دربار کے شاعر حکیم آتشی نے خمسہ نظامی کا جواب لکھا تھا، سلطان کے حکم سے نواب خان بابا نے رفیع الدین حسین شیرازی کی کتاب احوال السلاطین دکن کو مکمل کیا، حکیم آتشی کے سوا ابراہیم خان دوسرا مشہور شاعر تھا، جو قصائد اور غزلیات مین یدطولیٰ رکھتا تھا، سید نور اللہ مرزا مقیم، مرزا دولت شاہ دوسرے شعرا تھے[1]

سلطان کی طرح اس کی ملکہ بھی علم و فن کی قدردان تھی، جس کی بہترین دلیل خاور نامہ ہے، ملکہ خدیجہ سلطان شہر بانو گولکنڈہ کے حکمران سلطان محمد قلی (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) کی پوتی اور سلطان محمد قطب شاہ (۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ) کی دختر اور سلطان عبد اللہ قطب شاہ کی بھتیجی تھی،

۱۰۴۳ھ مین محمد عادل شاہ ابن ابراہیم عادل شاہ بیجاپور سے بیاہ گئین، جس کے بطن سے علی عادل شاہ ثانی جیسا علم و فضل کا ماہر اور شعر و سخن کا دلدادہ فرزند تولد ہوا،

کمال خان رستمی، اسمٰعیل خان کا لڑکا تھا، اس کو اور اس کے بزرگون کو سلاطین عادل شاہی کی جانب سے خطاط خان کا خطاب عطا ہوا تھا، رستمی اپنے عہد کا نامور ادیب باکمال شاعر تھا فارسی کے ساتھ ساتھ دکھنی مین بھی یدطولیٰ رکھتا تھا، صرف خاور نامہ اس کی قابلیت اور لیاقت کی بین دلیل ہے، اس نے قصائد اور غزلیات بھی کہے تھے، مگر افسوس اب وہ سب ناپید ہین،

خاور نامہ جیسا کہ بیان کیا گیا، ڈیڑھ سال مین لکھا گیا، اشعار کی تعداد چوبیس ہزار ہے، اسکی ترتیب ۱۰۵۹ھ مین ہوئی ہے، خود مصنف کہتا ہے، ؎

نبی کی جو ہجرت تھی کہتا خیال ہزار پر پچاس اور نو کی تھی سال
کیا رستمی اس وقت یو کتاب بندیا بات کی کو مران بے حساب

خاور نامہ دکھنی فارسی کا ترجمہ ہے، مگر ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ ترجمہ نہین معلوم ہوتا، بلکہ اصل تصنیف معلوم ہوتی ہے، اور یہی اصلی خوبی ہے، یہ رزمیہ مثنوی ہے، اس کی جو خوبیان ہین ان مین

[1] بساتین السلاطین،

سے بعض حسب ذیل ہین:۔

(الف) یہ اردو کی سب سے پہلی ضخیم مثنوی ہے، نہ تو اس سے پہلے اور نہ آج تک ایسی ضخیم مثنوی اردو مین لکھی گئی،

(ب) یہ سب سے پہلی رزمیہ مثنوی ہے، اور پھر پہلی ہی نہین، بلکہ آخری بھی کیونکہ ایسی ضخیم رزمیہ مثنوی اردو مین کوئی نہین ہے،

(ج) ضخیم ہونے کے باوجود اس کا تسلسل بھی نظر انداز نہین کیا جا سکتا،

(د) سلاطین عادل شاہی کے رزم و بزم کا اندازہ ہو سکتا ہے، کیونکہ ترجمہ مین ان امور کا داخل ہونا ناگزیر تھا، جو اس وقت کی معاشرت اور تمدن کے لوازمات تھے،

(و) مثنوی مین کئی سو تصاویر ہین جن مین سے بعض کی صراحت حسب ذیل ہے:۔

(۱) بروج آسمان، (۲) حضرت آدمؑ فرشتون کو تعلیم دے رہے ہین، (۳) مسجد النبیؐ (۴) فردوس اور بہشت، (۵) آنحضرت صلعم معہ صحابہؓ، (۶) ابو المحجن وسعد وقاص، (۷) کوہ نور، (۸) جنگ نوادر از سعد، (۹) مقابلہ نوادر و سعد، (۱۰) شکست سپاہ نوادر (۱۱) سوداگران و حضرت علیؓ، (۱۲) حضرت علیؓ و بادشاہ زنگیان، وغیرہ،

ان تصاویر سے بعض تو پورے صفحہ پر ہین اور بعض نصف اور ربع صفحہ پر، بعض مقامات پر ایک صفحہ پر دو دو تصویرین ہین، کل تصویرون کی تعداد (۳۰۷) ہے، ان مین مختلف رنگون کا استعمال کیا گیا ہے اور رنگ مین خصوصیت بھی رکھی گئی ہے، مثلاً شب خون حملہ کی تصویر ہو تو زمین سیاہ دیگئی ہے، دریا کا منظر ہو تو نیلگون رنگ استعمال کیا گیا ہے، آنحضرت صلعم اور حضرت علیؓ کی تصویر جہان دیگئی ہے وہان چہرہ ظاہر نہین کیا گیا ہے، بلکہ ہر جگہ ایک نقاب سے گردن تک پوشیدہ کر دیا گیا ہے، ان تصاویر سے جن امور پر روشنی پڑتی ہے، ان مین سے چند کی صراحت کی جاتی ہے،

(الف) جو لباس ان تصاویر مین استعمال کیا گیا ہے، اس سے عادل شاہی تمدن کا اندازہ ہوتا ہے،
مسلمان مرد وعورتون کا لباس کیا تھا، ہندو مستورات اور مرد کس قسم کا لباس پہنا کرتے تھے، اس کا پتہ چلتا ہے، کہ بعض داڑھی صاف کراتے تھے، کسی کی مونچھ زیادہ لمبی ہوتی تھی، ہندو مرد دھوتی کا استعمال کرتے تھے، ہندو عورتین ساڑی کو پیچھے ٹوپ دیا کرتی تھین، مسلمان مرد لمبی قبا تنگ آستین کی استعمال کرتے تھے بعض اوقات ایک نیم آستین قبا اس پر ہوتی تھی، پائجامہ کبھی تنگ اور کبھی گھردار استعمال ہوتا تھا، عام طور پر عمامہ باندھا جاتا تھا، جس کو کبھی پینے بھی ہوا کرتے تھے، جنگ کے وقت خود استعمال ہوتا تھا، عورتون کے لباس مین لہنگا دامنی اور چولی کا رواج تھا، پیٹ صاف طور پر نظر آتا ہے، آج تک جنوبی ہند (مدراس) مین غریب مسلمانون کا یہی لباس ہے،

مسلمانون مین عام طور پر نماز اور عبادت کا دستور تھا، مذہب کو زندگی کا جزء لاینفک تصور کرتے تھے، دعا مانگی جاتی تھی، اور اس کو اثر پذیر خیال کیا جاتا تھا، امرا کے کھانے کے وقت ملازم قوال سے مکھی اڑایا کرتے تھے، مختلف کھانے ایک ساتھ دسترخوان پر چن دیئے جاتے تھے، صراحی بردار پیچھے استادہ رہا کرتے، دوست ملاقات کے وقت بغل گیر ہوا کرتے، بادشاہ موسیقی سے بہرہ اندوز ہوتے، تخت کے ساتھ کرسی کا رواج تھا، نجوم پر اعتقاد تھا، بلا نجوم کوئی کام نہین کرتے تھے، ماتم کرنے کا دستور تھا، اور بوقت ماتم سر کے بال کھول دیا کرتے تھے، عورتین بعض دفعہ سینہ کے اوپر کا حصہ کھلا رکھتی تھین، سوتے وقت اکثر لباس تبدیل نہین ہوتا تھا، بادشاہ کے سوتے وقت لونڈیان پہرہ دیا کرتی تھین، ان سے کسی قسم کا حجاب یا پردہ نہین ہوتا تھا، ان کی موجودگی مین ملکہ پہلو مین سویا کرتی، غرض کہ اس طرح اس زمانہ کے تمدن کی ہر شے ان مین نظر آتی ہے، گو کئی ایک چیزین اب بھی ہمارے تمدن مین داخل ہین، اس لئے وہ ہمارے لئے نئی نہین، مگر اس سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اس وقت بھی ان کا رواج اور دستور تھا،

(ب) جہان ان تصاویر سے اس وقت کے بزم کے حالات معلوم ہوتے ہین، اسی طرح رزم

کے حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے، جنگ کے ساز و سامان آلات حرب طریقۂ جنگ (بری و بحری جنگ) جنگی جہاز وغیرہ کی صراحت ہوتی ہے، آلات حرب مین تلوار، نیزہ، تیر، گرز، ڈھال وغیرہ استعمال ہوتے تھے، مختلف رنگ کے "علم" (پھریرے) ہوا کرتے،

(ج) فرشتون، دیو اور پریون کی تصاویر سے معلوم ہوتا ہے، اس زمانہ مین فرشتون کو عورتون کی شکل دیجاتی تھی، دیو سیاہ بشکل مہیب صورت مین بنائے گئے ہین، ان کے سر پر سینگ بھی ہوتے تھے،

اس صراحت کے بعد اب مین نفس مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہون، اس کے متعلق مصنف کیٹلاگ بلوم ہارٹ نے جو وضاحت کی ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے، :۔

"ایک فارسی نظم کا دکھنی ترجمہ جسمین حضرت علیؓ اور ان کے رفقا مالک اور ابو المحجن کے رزمیون کا ذکر ہے، مصنف کمال خان رستمی"

مؤلف اردوے قدیم لکھتے ہین :۔

"خاور نامہ نظم ہے، اور شاہ نامہ فردوسی کے جواب مین لکھا گیا ہے، اس مین امیر المومنین جناب علی علیہ السلام کے محاربات مذکور ہین"

رسالہ تجلی مین دکھنیات کے متعلق ایک مضمون شایع ہوا ہے، جس مین مضمون نگار صاحب نے اس کے متعلق جو صراحت کی ہے، وہ یہ ہے :۔

"یہ ایک رزمیہ مثنوی ہے، اور اس مین حضرت علیؓ اور آپ کے صحابی حضرت مالک اور حضرت ابو المحجان کے جنگی کارنامون اور محاربات کو بیان کیا گیا ہے"

ان تصریحات سے نفس کتاب کے متعلق کوئی صحیح اور واضح روشنی نہین پڑتی چونکہ اصل کتاب کا کوئی نسخہ غالباً ہندوستان مین نہین ہے، اس لئے اس کے متعلق تفصیلی معلومات کا حاصل ہونا ناممکن تھا،

بیشک اس مین حضرت علیؓ اور آپکے رفقا کے محاربات کا ذکر ہے، مگر کیا اصلی محاربات خلافت؟ نہین بلکہ ایک فرضی داستان ہے، یہ فرضی داستان قصہ امیر حمزہ کے بالکل مشابہ ہے، ممکن ہے مصنف خاور نامہ نے اس فارسی قصہ امیر حمزہ کو جو سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ مین تصنیف ہوا تھا دیکھا ہو، اس مین بتایا گیا ہے، ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کی مجلس مین صحابہؓ کی بہادری کا ذکر ہو رہا تھا، کوئی کسی کا نام لیتا تھا کوئی کسی کا، کسی نے سعد وقاصؓ کو ترجیح دی، جس پر ابو المحجن کو ناگوار ہوا، اور بعد برخاست مجلس دونون مین رنجش کی صورت اختیار کرلی، ابو المحجن بالکل نوجوان تھا، اور حضرت علیؓ سے فنون جنگ کی تعلیم حاصل کی تھی، سعد وقاص نے ابو المحجن سے لڑنے کے لئے جنگل کی راہ لی جہان ابو المحجن آیا اور سعد سے بیان کیا کہ وہ اس امر کا ارادہ رکھتا ہے، کہ ملک مغرب کو لڑائی کے لئے جائے اگر وہان مارا جائے تو خیر ورنہ کامیابی کا سہرا رہے گا، سعد نے بھی اس کو پسند کیا، دونون ملکر روانہ ہوئے، کچھ مدت سفر کے بعد ایک ملک مین پہونچے، جہان کے بادشاہ کا نام ہلال بن علقمہ تھا، یہ اور اسکے تمام اہل شہر مسلمان تھے، اس نے تین دن تک دونون کی مہمانی کی اور جاتے وقت ایک لشکر ساتھ کرنے کا ارادہ کیا، مگر انھون نے انکار کیا، اسی طرح تنہا روانہ ہوئے، نوروز کی مسافت کے بعد دسوین دن ایک دوسرے ملک مین جس کا نام کوٹہ نور تھا، پہونچے، یہان کا بادشاہ نوادر نام تھا، اول تو اس نے خاطر تواضع کی اور ان کے ارادے سے واقف ہوگیا بعد ازین مخالفت ہوگئی، اور ان سے جنگ ہوئی جب نوادر مجبور ہوگیا تو ایک دوسرے بادشاہ قنطار شاہ سے مدد کا طالب ہوا، اس عرصہ مین آنحضرت صلعم کو سعد اور ابو المحجن کے ملک مغرب کو جانے کا حال معلوم ہوا، اور حضرت علیؓ ان دونون کی مدد کے لئے روانہ ہوئے اثنائے راہ مین حضرت علیؓ کا بادشاہ زنگیان سے مقابلہ ہوا، اور وہ مسلمان ہوا، اس کے بعد حضرت علیؓ قنطار شاہ کے مقابلہ کو روانہ ہوئے، یہان آپ کی سعد سے ملاقات ہوئی، مگر ابو المحجن شرم سے دوسری جانب چل دیا، قنطار شاہ سے مقابلہ ہوا اور وہ گرفتار ہوکر حضرت علیؓ کے پاس پیش ہوا،

ابو المحجن یہان سے روانہ ہوکر، پولاد کوٹہ، گیا، جہان رعد اور رعمار سے مقابلہ ہوا، قنطار شاہ کے مقابلہ کے بعد حضرت علیؓ ملک خاور کی جانب روانہ ہوئے، اثنائے راہ مین کئی بادشاہون سے مقابلے ہوئے اور کئی جنگین ہوئین، پولاد کوٹہ مین حضرت علیؓ اور ابو المحجن مین نادانستہ مقابلہ ہوا، مگر کوئی کامیاب نہین ہوا، اسی عرصہ مین حضرت علیؓ پر غنودگی طاری ہوئی، اور خواب مین معلوم ہوا وہ ابو المحجن تھا، اس کے بعد دونون کی ملاقات ہوئی، اب سعد اور ابو المحجن آپ کی رفاقت مین رہے، اسی عرصہ مین آنحضرت صلعم نے عمر بن امیہ کو حضرت علیؓ کی مدد کے لئے روانہ فرمایا، جنھون نے اپنی عیاری سے ہر جگہ بڑی مدد دی اور ان کی عیاری سے بڑا کام نکلا، ان ہی جنگون مین کئی دفعہ طلسم کشائی اور دیوون وغیرہ سے لڑائی ہوئی، جسمین حضرت علیؓ کامیاب ہوتے رہے، اکثر مقامون پر خضر راہ نمائی، اور مدد کے لئے آتے ہین، اس طرح مختلف جنگون جو بری اور بحری دونون ہین، بیسون طلسم کشائی کے بعد کئی بادشاہون کو مسلمان کرکے حضرت علیؓ معہ رفقا بہ فتح وفیروزی مدینہ منورہ کو تشریف لاتے ہین، اور آنحضرت صلعم اور امام حسنؓ اور حسینؓ سے ملاقات ہوتی ہے،

یہ ہے مختصر سا خلاصہ اس مضمون کا جو بڑی تقطیع کے (۱۰۸۶) صفحون مین آیا ہے، کتاب کے پورے صفحہ پر (۳۸) شعر آتے ہین، جیسا کہ خاتمہ کی عبارت سے واضح ہے، چوبیس ہزار شعر ہین، اس کے بعض اندراجات کی صراحت ذیل مین کیجاتی ہے، جس سے نفس مضمون کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے،

اس مین حسب ذیل بزرگون کا ذکر اور ان کی تصاویر موجود ہین:-

حضرت آدم علیہ السلام، ابراہیم، موسیٰ، سلیمان، یونس، خضر، آنحضرت صلعم، حضرت علیؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ، جبرئیل،

جن جن بادشاہون کا ذکر آیا ہے، اور ان سے مقابلہ ہوا وہ یہ ہین:-

ہلال شاہ، نوادر شاہ، قنطار شاہ، بادشاہ زنگیان، قباد شاہ خاوران، سلیمان شاہ، جمشید شاہ خاوران، بادشاہ فیل گوشان،

ثمار شاہ، فیروز شاہ، ناہید شاہ، طہماس شاہ، قبط شاہ، شاہ سمک، صلصال شاہ، ہرمز شاہ، پرویز شاہ، رائیض،
ان کے منجملہ نوادر اور رائیض کو ابوالمحجن نے قتل کیا ہے، قبط شاہ اور صلصال شاہ حضرت علیؓ کے
ہاتھ سے مارے گئے، جمشید شاہ، شاہ سمک، طہماس شاہ معہ اپنے بہین کے مسلمان ہوتے ہین،

ان بادشاہون کی جانب سے جو سپہ سالار مقرر ہو کر میدانِ جنگ مین آئے اور مقابلہ کیا ان کے
نام حسب ذیل ہین:-

ہلال، جو قنطار شاہ کی طرف سے آیا تھا، رعد، میر سیاف، قباد، ایلاق ترک اس کو سعد نے قتل کیا،
میرز نہار خوار یہ مسلمان ہو گیا، شاہ پور، اس کو مالک نے قتل کیا، فرہاد، عمار، شاہ خاوران کی جانب سے
آیا تھا، کشیب، ہوتا، نوشاد جمشید کی جانب سے حضرت علیؓ کے مقابلہ کو آیا تھا، اردشیر، یہ بھی جمشیدی تھا
آدم کوتوال شہر ربیع، اسفندار، بہمن اس کا مالک سے مقابلہ ہوا، اور قتل ہوا، شداد، کاموس، شیبان،
شہبال، جادوگر، گلباد، ابوالمحجن سے مقابلہ ہوا، خنجان، قرطاس، اس کو بھی ابوالمحجن نے قتل کیا، ارغوان
کوہی، سمراق، پیل زور، ابوالمحجن کے ہاتھ سے قتل ہوا، سربال، صلصال شاہ کا سپہ سالار تھا، گوراب، گودرز،
توزاد، کیو، عاد، نورادین، سام، یہ سب صلصال شاہ کے جنرل تھے، اور اکثر قتل ہوئے،

داستان مین عورت کا ذکر آنا ناگزیر ہے، چنانچہ اس مثنوی مین جن عورتون نے حصہ لیا ہے انہین سے
چند کا بیان ذکر کیا جاتا ہے،

دل افروز دختر نوادر جس سے سعد نے بیاہ کیا، گل چہرہ، دختر جمشید شاہ، پری رخ، زن جمشید، خواہر
جمشید، گلنار، گل اندام، شمامہ صلصال شاہ کی ملکہ اس کے قتل ہونے پر مسلمان ہوتی ہے، قرطاس شاہ کے
حرم، طہماس شاہ کی بہن، ناہید شاہ کی دختر، پری کوہ بلور،

حضرت علیؓ کے جن جن رفقاء اور ان کے کارنامون کا ذکر آیا ہے، اور جن کا داستان مین بڑا
حصہ ہے، وہ یہ ہین:-

ابوالمحجن، سعد، مالک، عمر امیہ، قنبر، خالد، فتاح، عمرو معدیکرب، سلیم، حضرت علیؓ کی طرف سے عیاری مین
عمر ہین، اور طرف ثانی کی جانب سے نہیار اور طرب قابلِ ذکر ہین، مگر عیاری مین بلکہ داستان مین سب سے بڑا حصہ
عمر امیہ کا ہے، جیسا کہ داستان امیر حمزہ مین ہے،

مثنوی مین جن جن شہرون اور مقامون کا ذکر ہے، اور جہان جہان لڑائیان ہوئی ہین وہ حسب
ذیل ہین:-

کوٹہ نور، ریاض کوٹہ، صنائی کوٹہ، صباح کوٹہ، پولاد کوٹہ، بندر گاہ سلیمان، شہر جم، شہر خاوران،
قلعہ صول، قلعہ صور، حصن ربیع، بت خانہ، رہتی باغ، حماد کوٹہ، بت خانہ دیو ازمید، قلعہ آہن، شہر سمت، کوہ
بلور، قلعہ آدمی خور، شہر عرض، کوہ ظلمات، حصار برنج، حصار ظلمات، طلسم بلور، شہر مرصع، ویران
حصار، شہر فام، شہر زر، میل گوہر نگار، شہر زرین، رباط اول، دوم، سوم، باغ زرین، حصن شیطان،

ان بادشاہون کے لشکرون کے سوا بعض اور لشکرون کا ذکر اور ان سے مقابلہ ہوا ہے، چند کے
نام بیان کئے جاتے ہین، لشکر آدمی خوار، لشکر دیوان، لشکر پریان، لشکر جادوگران، لشکر کلاہان، لشکر
فیل کوشان،

جیسا کہ قبل ازین بیان کیا گیا ہے، یہ فرضی داستان ہے، جس مین صدہا امور غلط اور ناممکنات
سے ہین، مثلاً دیوون پریون، بھوتون سے جنگ کرنا، خلاف قیاس اژدہون، شیرون، ہاتھیون سے
مقابلہ، طلسم کشائی، اسی قسم کے صدہا واقعات ہین،

یہ سب کچھ تو غلط ہے، اور قصہ کی حقیقت صرف افسانہ ہی ہے، مگر جو امر قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ
زمانہ سلف مین تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ دین محمدیؐ کی ہر وقت دھن رہا کرتی تھی، اور وہ قصہ کہانیون
مین بھی اس کو نظر انداز نہین کرتے تھے، خاور نامہ کے مطالعہ سے یہ صاف طور پر معلوم ہو سکتا ہے، کہ
مصنف کو تبلیغِ اسلام کا کیسا شوق ہے،

نفس کتاب مین جن جن عنوانات پر بیان ہوا ہے، جن کی سرخیان قایم کی گئی ہین اس کا اندراج طوالت سے خالی نہیں، بریں ہم بطور نمونہ چند درج ہین، دکھنی خاور نامہ کی سرخیان فارسی مین ہین،

(۱) گفتار جمیع آسمان،

(۲) گفتار درصفتِ آدم زاد و قدر و منزلتِ ایشان،

(۳) فی المناجات،

(۴) صفتِ مدینہ،

(۵) صفتِ شب است (اسی مین فردوسی کی تعریف ہے)

(۶) آغازِ داستان خاور نامہ،

(۷) صفتِ شب و خشم گرفتن ابو المحجن و سعد وقاص رض،

(۸) داستان با نوادر،

(۹) فرستادن نوادر سپاہ را بکاروان زدن،

(۱۰) داستان نوادر،

(۱۱) جنگ کردن ابو المحجن با سپاہ نوادر،

(۱۲) رزم نوادر با ابو المحجن،

(۱۳) خبر یافتن قنطار از مرگ نوادر و آمدن بکین خواستن،

(۱۴) رزم ہلال با ابو المحجن و کشتہ شدن اوی،

(۱۵) رزم ابو المحجن با قنطار،

(باقی)

عمر خیام کا ایک نادر نسخہ

از مولوی امتیاز علی خانصاحب عرشی رامپوری

(۲)

۲۶ چون عہد نمی شود کسے فردا را — حالے خوش کن این دلِ پر سودا را
می نوش بنورِ ماہ لے ماہ کہ ماہ — بسیار بگردد و نیابد ما را

مطبوعہ نسخہ مین عہدہ نمی شود لکھا ہے، دلِ پر سودا کی جگہ دلِ شیدا، اور بگردد کے عوض بتابد ہے،

۲۷ از آتشِ بادود کجا بود آن جا — از مایہ و از سود کجا بود آن جا
آنکس کہ مرا نام خراباتی کرد — در اصل خرابات کجا بود آن جا

مطبوعہ نسخہ مین آن جا کی جگہ این جا اور "از مایہ و از سود" کے بجائے "از مایہ تا سود" تحریر ہے،

۲۸ برخیز و بیا دوست ز بہرِ دلِ ما — حل کن بجمالِ خویشتن مشکلِ ما
یک کوزۂ می بیار تا نوش کنیم — زان پیش کہ کوزہ بر کنند از گلِ ما

مطبوعہ مجموعہ مین "بیا دوست" کے بجائے "بیا بتا" ہے اور چوتھا مصرع اس طرح لکھا ہے،

زان پیش کہ کوزۂ کنند از گلِ ما،

۲۹ روزے کہ بود اذا السماء انشقت الخ

قلمی نسخہ مین "اذا السماء انفطرت" ہے،

۳۰ گر کارِ تو نیک است بہ تدبیرِ تو نیست — ور نیز بد ست ہم بہ تقصیرِ تو نیست
تسلیم رضا پیشہ کن و شاد بزی — چون نیک و بدِ جہان بہ تدبیرِ تو نیست

الہ آبادی نسخہ مین دوسرا مصرع یون تحریر ہے، ؎ ور سر بود آن نیز بتقصیرِ تو نیست،

لیکن بالکل بے محل اور ناکارہ ہے، "کار تو نیک ست او" "چون نیک و بد جہان بہ تدبیر تو نیست" کا اقتضا یہ ہے، کہ "دو رنیز بدست" ہونا چاہئے، سرجانے سے کیا واسطہ، اگر یہ فقرہ صحیح مانا جائے تو رباعی سخ ہوجاتی ہے،

۳۱ ہر سبزہ کہ بر کنار جوے رستہ است — گوئی زلب فرشتہ خوے رستہ ست
تا بر سر سبزہ پا بخواری نہ نہی — کان سبزہ ز خاک ماہ روئی رستہ ست

الہ آبادی نسخہ مین گوئی کی جگہ گویا، اور ماہ روی کے عوض لالہ روی تحریر ہے، یہ اختلاف سطحی ہے، لیکن تیسرے مصرع مین سنجیدہ تغیر ہے، تا کی جگہ پا اور پا کی جگہ ہا لکھا ہے،

۳۲ خاکے کہ بزیر پائی ہر حیوانیست، — زلف صنمے و عارض جانا نیست،
ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانے ست — انگشت وزیرے و سر سلطانیست،

مطبوعہ رباعی مین خاکے کی جگہ خارے اور عارض کے عوض ابروے لکھا ہے، گو معنوی حیثیت سے بالکل غلط نہین، لیکن خاکے کہین بہتر ہے، خار کے ساتھ تعمیم نامناسب ہے، ہر جاندار کے پیر کے نیچے کانٹا کب ہوتا ہے، ہزارہا جاندار ایسے ہون گے، جن کے پیر کے نیچے کبھی کوئی کانٹا نہ آیا ہوگا، اس کے برخلاف مٹی ایسی شے ہے کہ اس پر پیر رکھے بغیر چلنا ناممکن ہے،

۳۳ زان بر تو دو روز نوبت عمر گذشت — بگذشت چنانکہ بگذرد باد بدشت
تا من باشم غم دو روزہ نخورم — روزے کہ نیامدہ ست (و) روزے کہ گذشت

مطبوعہ نسخون مین پہلا شعر اس طرح لکھا ہے،

چون آب بجوبار و چون باد بدشت — روز دگر از عمر من و تو بگذشت

اس مین پہلا نقص تو یہ ہے، کہ "روز دگر" کو ناخن تا دیل برداشت کرنا پڑتا ہے، ورنہ مطلب خبط، دوسرے یہ کہ دوسرا شعر بے ربط رہجاتا ہے، سامع کا ذہن فوراً منتقل نہین ہوتا، اس لئے وہ نہین

سمجھ سکتا، کہ یہ معلول ہے، قلمی نسخہ مین زان سے علت ومعلول کا تعلق واضح ہوجاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ چونکہ تیری عمر گذشتہ کے دونون دن گذشتہ اور آیندہ، اس طرح غیر محسوس سرعت سے گذر گئے، جیسے جنگل مین ہوا سن سے نکل جاتی ہے، لہذا مین ان دونون کا غم نہ کرونگا (اس طرح میرا عیش فانی منغض نہ ہوگا، اور کچھ راحت نصیب ہوجائیگی) گذشت گذشتہ کا قایم مقام ہے،

۳۴ دل سر حیات اگر کماہی دانست — در موت ہم اسرار الٰہی دانست
اکنون کہ تو با خودی ندانستی ہیچ — فردا کہ ز خود روی چہ خواہی دانست

مطبوعہ رباعی مین، پہلے مصرع مین اگر کی جگہ را ہے، چونکہ دونون مصرعے شرط و جزا واقع ہوئے ہین، اس لئے اگر حرف شرط ضروری ہے، را کے ساتھ عبارت یون ہونا چاہئے تھی، "دلے کہ سر حیات را کماہی دانست"، "اکنون کہ تو با خودی" کے بجائے، "امروز کہ با خودی" ہے یہ اکنون سے بہتر ہے، اس لئے کہ دوسرے مصرع مین لفظ فردا استعمال ہوا ہے، امروز اس سے زائد مناسبت رکھتا ہے،

۳۵ ساقی چو زمانہ در شکست من و تست — دنیا نہ سراچہ نشست من و تست
گر زانکہ بدست من و تو جام مے ست — میدان بیقین کہ حق بدست من و تست

مطبوعہ رباعی مین "دنیا نہ سراچہ" کے بجائے "دنیا کہ سراچہ" لکھا ہے، اس تغیر سے گذشتہ رباعی کی طرح شعر کی معنویت غارت ہوگئی، وہ کہتا یہ ہے کہ جب زمانہ درپے آزار ہے، تو دنیا رہنے کی جگہ نہین لیکن نہ کی جگہ کہ آجانے سے کوئی مطلب ہی نہ رہا،

تیسرا مصرع مطبوعہ رباعی مین یون ہے "بنگر کہ میان من و تو جام مے ست"، لیکن معاملہ حد فہم سے قطعاً باہر ہوجاتا ہے، چارون مصرع ملا کر پڑھئے، دیوانہ کی بڑ کے سوا کچھ نہین رہتا، عمر خیام جیسا فصیح رباعی گو، کس قدر بدنما شکل مین نمودار ہوتا ہے، مگر قلمی رباعی ان عیوب سے پاک ہے، اس کے

مطابق تیسرا مصرع استفہامیہ ہے، پہلا شعر ایک واقعہ تھا، حقیقت یہ ہے کہ زمانہ کسی کو چین سے بیٹھا نہین دیکھ سکتا، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب یہ حالت ہے تو دنیا ہرگز رہنے کے لایق نہین ہو سکتی، شاعر سوال کرتا ہے، کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ زمانہ ہمارے درپے کیون ہے؟ کیا یہ سبب ہے کہ ہم "جام بدست" ہین؟ کیا یہ باعث ہے، کہ ہم اس کی پرواہ نہین کرتے، اور شراب سے دادِ عیش و نشاط دیتے رہتے ہین؟ چوتھا مصرع اس کا جواب ہے، یعنی:-

"اگر صرف یہی وجہ ہے کہ ہم میخوار ہین، تو کچھ فکر نہین، اسے دشمنی کرنے دو، حق تو ہمارے ہی ساتھ ہے، اور جب انسان حق اور راستی پر ہو، تو پھر اسے تکالیف کی ذرہ برابر پرواہ نہین چاہئے" اس مضمون کو خیام نے متعدد جگہ نظم کیا ہے، دیکھو صرف معمولی الفاظ کے تغیر سے رباعی کس قدر بے معنی ہو گئی تھی،

۳۶ جرمِ خردم درخورِ اثباتِ تو نیست | واندیشۂ من بجز مناجاتِ تو نیست
من ذاتِ ترا بواجبی کے دانم | دانندۂ ذاتِ تو بجز ذاتِ تو نیست

الہ آبادی نسخہ مین جرم خردم کی جگہ گنہ خردم، اور چوتھے مصرع مین بجز ذات کے عوض جدا ذات لکھا ہے، جرم سے گنہ بہتر ہے، لیکن "بجز ذات" کے بجائے "جدا ذات" اچھا نہین،

۳۷ روزے کہ درو آمدن و رفتنِ ماست | او را نہ نہایت و بدایت پیداست
کس بے نبرد ہیچ درین معنی راست | کین آمدن از کجا و رفتن زکجاست

مطبوعہ نسخون مین روزے کی جگہ دورے لکھا ہے، یہی بہتر ہے، چوتھے مصرع مین زکجاست کی جگہ بکجاست ہے، از کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے، تیسرا مصرع الہ آبادی نسخہ مین یون لکھا ہے، ع

"کس می نزند دمے درین معنی راست" قلمی مصرع اس سے اچھا ہے، گو معنی یہ بھی درست ہے،

بسیار دویدیم بگردِ در و دشت | اندر ہمہ آفاق بگشتیم بہ گشت
از کس نہ شنیدیم کہ آمد زین راہ | راہے کہ برفت رہروی باز نہ گشت

مطبوعہ رباعی مین دویدیم کی جگہ بگشتیم اور "برفت رہروے" کی جگہ "برفت راہ رو" لکھا ہے،

۳۸ چون لالہ بنوروز قدح گیر بدست | با لالہ رخے، اگر ترا فرصت ہست
مے نوش بخرمی، کہ این چرخِ کہن | ناگاہ ترا چو خاک گرداند پست

مطبوعہ رباعی مین بخرمی کی بجائے بخور غصہ ہے، مآل دونون کا ایک ہے، لیکن بخرمی زیادہ اچھا ہے،

۳۹ دیریست کہ صد ہزار عیسیٰ دیدہ ست | طوریست کہ صد ہزار موسیٰ دیدہ ست
قصریست کہ صد ہزار بگذشت درو | طاقیست کہ صد ہزار کسریٰ دیدہ ست

مطبوعہ رباعی مین طوریست الخ مقدم ہے، دیریست موخر ہے، چونکہ موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ سے پہلے تھے، اس لئے انسب یہی ہے کہ ان کا ذکر بھی پہلے ہو، تیسرا مصرع مطبوعہ نسخہ مین یون ہے، ع

"قصریست کہ صد ہزار قیصر بگذشت" قصر کی مناسبت سے قیصر ہی بہتر معلوم ہوتا ہے،

۴۰ مائیم می و مطرب و این کنجِ خراب | جان و دل و جام و جامہ بر درد شراب
فارغ ز امیدِ رحمت و بیمِ عذاب | آباد ز خاک و باد و ز آتش و آب

الہ آبادی نسخہ مین اس وزن اور قافیہ مین دو رباعیان ہین، یہ رباعی پہلی رباعی کے تین آخری مصرعون اور دوسری کے پہلے ایک مصرع سے مرکب ہے، پہلی رباعی کا پہلا مصرع یہ ہے، ع

"ما و می و معشوق درین کنجِ خراب" دوسرا مصرعہ بعض قلمی نسخون مین یون ہے ع

"جان و دل و جسم نیز در رہن شراب" یہی مصرع امرتسری نسخہ مین زیر بحث قلمی نسخہ کے مطابق ہے، صرف یہ فرق ہے کہ اس مین "بر درد شراب" ہے، اور اس مین اس کے بجائے "در رہن شراب" چوتھے مصرع مین آباد کی جگہ آزاد ہے، یہ دونون تغیر دوسرے نسخون کے انسب ہین، "آباد" اور "بر درد شراب" کسی طرح درست نہین،

۴۱ اے چرخِ فلک خرابی از کینۂ تست | بیدادگری پیشۂ دیرینۂ تست

اے چرخ اگر سینۂ تو بشگافند — بس گوہر قیمتی کہ در سینۂ تست

مطبوعہ رباعی مین "پیشۂ دیرینہ" کی جگہ "عادتِ دیرینہ" اور تیسرے مصرع مین اے چرخ کے عوض "اے خاک" ہے، پہلا اختلاف مساوی ہے، لیکن اے چرخ کی بجائے "اے خاک" درست ہے، زیر بحث قلمی نسخہ غلط ہے،

۴۲ چون آمدنم بمن نبُد روزِ نخست — این رفتنِ بے مراد عزمیست درست

برخیز و میان ببند اے ساقی چست — کاندوہِ جہان بمی فرو خواہم شست

مطبوعہ مجموعون مین دوسرے مصرع مین بجائے "عزمیست درست" کے "عزمیست درست" لکھا ہے، لیکن درحقیقت عزم صحیح نہین، عزم کہتے ہین، پختہ ارادہ کو، اور جہان تک انسان کے اختیار مین رہتا ہے، وہ کبھی مرجانے کا پختہ ارادہ نہین کرتا، عرف کہتے ہین، جانی پہچانی رسم یا عادت یا طرز و طریق وغیرہ کو، موت بھی ایک معروف انسانی حالت ہے، اس لئے موت کو عرف سے تعبیر کرکے اس کو "درست" بھی کہتا ہے، کیونکہ دنیا مین ساری گذشتہ نسلین زندہ رہتین، تو آنیوالون کو زندگی دشوار ہوجاتی، بہت ممکن تھا کہ موجودہ "تنازع للبقا" حد سے تجاوز کرکے دنیا کو یکسر تباہ کردیتا،

۴۳ در پاے قرابہ، غلغل می چہ خوشست — وان زاریٔ رازِ نالۂ نے چہ خوشست

در بربتِ دلفریب، در سرِ می ناب — فارغ ز غمِ زمانہ ہے ہے چہ خوشست

الہ آبادی نسخہ مین پائے قرابہ کے عوض نائے قرابہ اور "وان زاری راز" کے بجائے "آواز سماع" لکھا ہے، تیسرے مصرع مین "در بربتِ دلفریب" نے "در ہر بتِ دلفریب" کی شکل اختیار کرلی ہے، پاے قرابہ اور نائے قرابہ مساوی ہین، لیکن در ہر بہار ہو زغلط ہے، در بربط موجود ہونا چاہیئے، مگر زیر بحث قلمی نسخہ کا دوسرا مصرع محرف معلوم ہوتا ہے، غالباً لفظ راز "ساز" تھا، کاتب کی غلطی سے سین کا سر الف سے جدا ہوگیا، اور اس نے رکی شکل اختیار کرلی،

۴۴ چون ابر بجوئبار و چون باد بدشت — روزے دگر از عمرِ تو خواہد بگذشت

ہرگز غمِ دو روزہ نخواہم خوردن — روزے کہ نیامدست و روزے کہ گذشت

اس مضمون کی ایک قلمی رباعی پہلے گذر چکی ہے، مطبوعہ نسخون مین صرف ایک رباعی درج ہے جو کسی قدر پہلی سے اور کسی قدر اس دوسری سے مشابہ ہے، وہ یہ ہے:۔

چون آب بجوئبار و چون باد بدشت — روز دگر از عمرِ من و تو بگذشت

تا من باشم غمِ دو روزہ نخورم — روزے کہ نیامدست و روزے کہ گذشت

دراصل موجودہ قلمی رباعی اس رباعی کی دوسری شکل ہے، وہان ہم نے مقابلہ درست نہین کیا، ابر کی جگہ آب اور بگذشت کی جگہ خواہد بگذشت بہتر ہے، تیسرا مصرع دونون کا برابر ہے،

۴۵ در پردۂ اسرار کسے را رہ نیست — زین تعبیہ جانِ ہیچ کس آگہ نیست

جز در دلِ خاک ہیچ منزل گہ نیست — می خور کہ زمانہا چنین کوتہ نیست

الہ آبادی نسخہ مین چوتھا مصرع اس طرح درج ہے، ے

افسوس کہ این فسانہ ہم کوتہ نیست، اور امرتسری نسخہ کا حوالہ دیا ہے، بعض نسخون مین افسوس کے بجائے "بشنو" لکھا ہے، ہمارے نسخہ کا چوتھا مصرع بہتر ہے، مقصود یہ ہے، کہ "جب حقیقت سے کوئی باخبر نہین، اور مرنا لابد ہے، تو پھر شراب کیون نہ پئین، کافی مہلت ہے اتنے عرصہ مین تو بہت کچھ لذت حاصل کیجاسکتی ہے"،

۴۶ یک جرعۂ مے ز ملکِ کاؤس بہ ست — وز تختِ قباد، ملکتِ طوس بہ ست

ہر نغمہ کہ عاشقے تراز دبہ سحر — از نعرۂ زاہدانِ سالوس بہ ست،

مطبوعہ نسخون مین دوسرا شعر اس طرح درج ہے،

ہر نالہ کہ رندے بسحرگاہ زند — از طاعتِ زاہدانِ سالوس بہ ست

مگر قلبی شور مرجح ہے، یہ حقیقت ہے، کہ ریاکارانہ نعرہاے اللہ ہو سے وہ راگ کہین بہتر ہین، جو سچے عاشق کے دردمند دل سے نکلتے ہین، اور دلون کو برماتے ہوئے فضا مین ناپید ہوجاتے ہین، رند سے یہ مفہوم ادا نہین ہوتا، گو ریاکاری کی نفی ضرور ہوجاتی ہے، رہا نعرہ تو وہ طاعت سے بہرحال انسب ہے، نالہ اور نغمہ دونون کے مقابل نعرہ ہی ہونا چاہئے،

۴۷ گویند مخور بادہ کہ شعبان نہ رواست — نے نیز رجب کہ آن مہ خاص خداست
شعبان و رجب ماہِ خدا است و رسول — ماہِ رمضان خوریم کان خاصۂ ماست

مطبوعہ نسخون مین یہ رُباعی اس طرح درج ہے ؎

گویند کہ مے بماہِ شعبان نہ رواست — نے نیز رجب کہ آن مہ خاصِ خداست
شعبان و رجب ماہِ خداوند و رسول — مائے رمضان خوریم کان خاصۂ ماست

۴۸ زان بادہ کہ روح را حیاتِ دگر ست — پرکن قدحے گرچہ ترا دردِ سر ست
برنہ بکفم کار کہ عالم ثمر ست — بشتاب کہ عمرت لے پسر درگذر ست

الہ آبادی نسخہ مین روح کے بجائے عمر درج ہے، تیسرا مصرع اس طرح لکھا ہے، ؎
برنہ بکفم کہ کارِ عالم سمر ست "، یہی صحیح بھی ہے، چوتھا مصرع بھی مختلف ہے، "کہ عمرت لے پسر" کے عوض "در کنون کہ عمر من" لکھا ہے، دہلی والے نسخہ مین چوتھا مصرع اس طرح درج ہے،

بشتاب کہ عمر اے پسر درگذر ست،

۴۹ در فصلِ بہار اے بتِ حور سرشت — یک کوزۂ مے بدہ مرا برلب کشت
ہرچند بہ نزدِ عالم این باشد زشت — از سگ بترم اگر کنم یاد بہشت

مطبوعہ نسخون مین اے کی جگہ اگر اور بدہ کی بجائے دہد ہے، تیسرا مصرع اس طرح درج ہے،
گرچہ بر ہر کس این سخن باشد زشت، قلمی رباعی مین روانی زائد ہے، گو غلط مطبوعہ کو بھی

نہین کہا جاسکتا،

۵۰ بیہودہ بہر دلے نمی باید تاخت — با نیک و بدِ زمانہ می باید ساخت
از طاسکِ چرخ و کعبتین تقدیر — ہر نقش کہ پیدا شود آن باید تاخت

الہ آبادی نسخہ مین بیہودہ کی جگہ "از ہرزہ" درج ہے، "نیک و بدے" "نیک و بد" کے عوض لکھا ہے، یہ کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے،

۵۱ امروز کہ آدینہ مراد انام ست — مے نوش سبو سبو چہ جائے جام ست
ہر روز اگر یک قدحِ می خوردی، — امروز دو خور کہ سید الایام ست

مطبوعہ رباعیات مین دوسرا مصرع اس طرح درج ہے ؎
مے نوش کن از قدح، چہ جائے جامست، لیکن قلمی نسخہ مرجح ہے، مقصد یہ ہے، کہ پیالہ سے تو روزانہ پیا ہی کرتا ہے، آج جمعہ ہے شراب کی ٹھلیا منہ کو لگا، اور دنیا و مافیہا کو خیرباد کہدے، کیون اس لئے کہ جمعہ ہے سید الایام، اس روز تو ایک قدح شراب پینے والے کو بھی دو پینا چاہئے ورنہ سردار اور عام دنون مین فرق کیا ہے گا؟

مطبوعہ مصرع سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ خیام روزانہ قدح سے پیتا ہے، اسی لئے جمعہ کی تعظیم مین آج دو قدح پئے گا، اور وہ بھی جام سے نہین خود قدح ہی سے، بس یہ جمعہ کی خصوصیت ہے، لیکن پہلی صورت مین امتیاز بہت کھلا، اور اہم ہے، وہ روزانہ ایک قدح شراب جام سے پیا کرتا تھا جمعہ کے دن زائد پئے گا، اور نہ صرف یہی کہ زائد ہی پئے گا، بلکہ دنون کے سردار کی تعظیم مین پئے گا بھی ٹھلیا سے، اسے کہتے ہین خم بہ خم لنڈھانا، اور یہ ہے جمعہ کی خصوصیت،

(باقی)

تلخیص و تبصرہ

خودکشی اور مذہب

لوگون کو خودکشی سے باز رکھنے مین، مذہب کو جو دخل رہا ہے، وہ محتاج بیان نہین، سطور ذیل
مین اسی موضوع سے متعلق ایک مضمون کا خلاصہ ہے، جو رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کی ایک قریبی اشاعت
مین شایع ہوا ہے،

جو لوگ مذہب کی پیروی کرتے ہین، ان مین خودکشی کی نوبت بہت کم آتی ہے، برخلاف اس کے
جن لوگون پر مذہب کا قابو کم ہے، ان مین خودکشی کے واقعات نسبۃً بہت زیادہ پائے جاتے ہین، اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل کے لئے مذہب ہی ایک قوی مانع ہو سکتا ہے، اس لئے کہ باوجود اُن تمام
بندشون کے جو انسان کی فطرت اور سوسائٹی کے قوانین نے عاید کر رکھی ہین، ڈاکٹر لوئی ڈبلن (امریکہ)
کے بیان کے مطابق ہر سال سولہ ہزار آدمیون سے زیادہ کشمکش حیات کو عبث اور لاحاصل سمجھ کر اپنے
ہاتھون اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہین،

خودکشی ایک قسم کی دماغی بیماری سے پیدا ہوتی ہے، اور ایسے ڈاکٹر موجود ہین جو اس کا علاج
کامیابی کے ساتھ کر رہے ہین، ڈاکٹر ڈبلن کا خیال ہے کہ اگر ایسے مریضون کا علاج شروع ہی سے ہو
اور نہایت احتیاط سے ان کے حالات کی دیکھ بھال ہوتی رہے تو بہتیرے اشخاص ان مشکلات کو حل
کرنے مین کامیاب ہو سکین گے، جن سے مایوس ہو کر وہ آخر مین اپنی جانین کھو دیتے ہین، لیکن ڈاکٹر
صاحب موصوف کی رائے کے مطابق ایسے ماہر اطباء سے رجوع کرنا ہر حال مین ضروری نہین، اکثر

صورتون مین صرف اسی قدر کافی ہے کہ ایسے مریض سے دوستانہ تعلقات قائم کئے جائین، اسے اس
بات کا یقین دلایا جائے کہ کوئی اس سے محبت کرتا ہے، اور اس کے ذاتی اعتماد کو تقویت پہونچائی جائے
خودکشی کو روکنے مین کلیساؤن نے بہت مدد دی ہے، انھون نے اس فعل کو نہ صرف گناہ اور انقلابات
زندگی سے ایک بزدلانہ گریز قرار دیا بلکہ ایک ایسی دماغی فضا پیدا کر دی، جس سے خودکشی محال
ہو گئی، "انسان کی ذاتی اہمیت پر زور دیکر اور خدا کی ربوبیت پر یقین اور بھروسہ پیدا کر کے مذہب نے
عوام کی روحانی زندگی کو منظم کر دیا ہے، اور ان مین زندگی کی خواہش کو مضبوط کر دیا ہے" لیکن
ہر شخص مذہب کا پابند نہین ہو سکتا، اور نہ اُن تسلیون سے فائدہ اٹھا سکتا جو مذہب سے حاصل
ہوتی ہین، ایسون کی مشکلات کے حل کے لئے دوسرے طریقون کی ضرورت ہے، اصول صحت دماغی کی
تحریک اس ضرورت کو پورا کرتی ہے، اس تحریک کا مقصد محض یہ نہین ہے کہ دماغی بیماریون کا
علاج کیا جائے، اور ایسے عوارض کو روکنے کی تدابیر اختیار کیجائین، بلکہ یہ بھی کہ دماغ کی تربیت
اس طریق پر کیجائے، کہ وہ زندگی کی شیرینی و تلخی، مسرت و غم، فتح و شکست کو تجربات انسانی کے
عناصر ترکیبی سمجھ کر بخوشی قبول کرے،

"ٹرکی کا مغربی رخ"

مصطفیٰ کمال پاشا اور ان کے رفقا نے ٹرکی کی تجدید کے راستہ مین جس طرح ہر مشرقی چیز کو
ٹھکرا کر ہر وہ شے، جو اُس کے مقابلہ مین مغربی تھی بلا امتیاز اختیار کر لی، اور اس طرح ضروری تغیرات
کے ساتھ ساتھ بیسیون غیر ضروری تغیرات بھی کر ڈالے، اس پر بھی خود اُس کے دوستون کو بجا طور سے
رنج و افسوس ہے، ابھی حال مین مشہور ترک خاتون خالدہ ادیب خانم کی ایک کتاب لندن سے
شایع ہوئی ہے، مصنفہ محتاج تعارف نہین، ٹرکی کی جدید تحریک مین انھون نے شروع سے جو حصہ

لیا ہے، اس سے وہ لوگ باخبر ہین جو ترکون کی جدوجہد سے دلچسپی لیتے رہے ہین، لیکن اختلاف راے کی
بنا پر موصوفہ نے جلد ہی حکومت پر اعتراض کرنا بھی شروع کر دیا جس کی وجہ سے انھین کچھ دنون ٹرکی سے باہر
سکونت پذیر ہونا پڑا ہے، خالدہ ادیب سے بڑھ کر کسی کو اس امر کی خوشی نہین ہوسکتی کہ موجودہ ٹرکی نے
سابق بندشون سے آزادی حاصل کرلی ہے لیکن ان کے نزدیک یہ بات خطرہ سے خالی نہین کہ مصطفیٰ
کمال کا نظام حکومت استبداد کے لحاظ سے عبد الحمید خان ثانی کے طرز سلطنت سے مختلف نہین، یہ امر
اس نوخیز جمہوریہ کے لئے سخت مضر ہے، مصنفہ کا سب سے بڑا اعتراض اس بے صبری پر ہے جو اصلاح کے مسئلہ
مین عمل مین آئی، مثلاً ٹرکی ٹوپی کو ایک دم سے اٹھا دینا اور عربی رسم خط کو مسترد کر دینا جس عجلت کیساتھ
یہ اصلاحین کی گئین اس کی کوئی ضرورت نہ تھی، ٹرکی ٹوپی سے موصوفہ کو کوئی خاص الفت نہین مگر
ان کا سوال یہ ہے کہ جب ملک مین اس قسم کی ٹوپی کے بجائے کوئی دوسری ٹوپی بروقت موجود نہ تھی تو
کیا ضرورت تھی کہ دوسرے ممالک سے مختلف قسم کی ٹوپیان منگا کر خواہ مخواہ انگشت نمائی کا موقعہ
دیا جائے، خالدہ ادیب کے نزدیک بعض اصلاحین خصوصاً عورتون کا مسئلہ یورپ کی نقل نہین، وہ
بتاتی ہین کہ زمانہ قدیم مین ترکی عورتون کو مردون کے برابر حقوق حاصل تھے، یہ تو اٹھارہوین
صدی مین ہوا کہ غیر ترکی ممالک کی دیکھا دیکھی، سلطان نے ایک فرمان جاری کیا جس کی تعمیل مین عورتون
نے نقاب اختیار کیا،

مصنفہ کا خیال ہے کہ جدید قومیت کا احساس ترکون مین عرصہ کے بعد پیدا ہوا، مصر، فارس،
حجاز، شام، عراق، ہر جگہ قومیت کا جذبہ پیدا ہو رہا تھا، مگر پھر بھی ٹرکی کو ہوش نہ آیا جب تک اسے
جنگ عظیم کے بعد اپنے وجود کے معرض خطر مین ہونے کا یقین نہ آگیا، لیکن اس احساس کے پیدا ہوتے
ہی اس نے اپنے قومی وجود کو بزور شمشیر مستقل طور پر قایم کر دیا،

زندگی کی دل آویزی

مدت سے دنیا مین دو فریق پیدا ہین ایک وہ جو دنیا کے روشن رخ کو دیکھتے ہین، دوسرے
وہ جن کی نظر دنیا کے صرف تاریک پہلو پر پڑتی ہے، اور یہ دونون پر امید اور ناامید گروہون مین منقسم
ہین، ان مین سے ایک کو دنیا سرتاپا غم و اندوہ کی تصویر نظر آتی ہے، اور دوسرے کو وہ لذت و
مسرت سے معمور معلوم ہوتی ہے، ان دونون فرقون کے ان دو مختلف فیصلون مین افلاس اور تونگری
کو کوئی دخل نہین، بہت سے دولت مند اپنی زندگی سے عاجز ملین گے، اور بہت سے غریب خوش و
خرم اور اپنی ہر حالت مین مسرور پائے جائینگے، ایک غریب شاعر کہتا ہے، ؎

پھٹے کپڑون مین خندان مثل گل ہین — شرافت کیا بہار بے خزان ہے،

یونان و ہند کے فلسفیون نے اس کا فیصلہ فلسفۂ حیات کے پرپیچ اسرار کے حل سے کرنا چاہا، اور
شعراے عجم نے اپنے شاعرانہ جذبات مین اپنے اپنے خیالات کی ترجمانی کی ہے، ابن یمین کا قطعہ
مشہور ہے،

دو تاے نان اگر از گندم است یا از جو — دو تاے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
بہ چار گوشۂ دیوار خود، بخاطر جمع — کہ کس نگوید ازینجا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین — ز فر مملکت کیقباد و کیخسرو،

خیام نے اس حقیقت کو صرف چار مصرعون مین کہدیا،

در دہر ہر آنکہ نیم نانے دارد — وز بہر نشست آستانے دارد
نے خادم کس بود نے مخدوم کسے — گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

شیخ سعدیؒ نے اس سے بھی زیادہ کمال کیا کہ دو مصرعون مین سب کچھ سما دیا،

نہ بر اشترے سوارم نہ چو اشتر زیر بارم   نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم

لیکن آپ نے غور کیا کہ یہ تمام شعرا کس چیز کو مسرت سمجھ رہے ہین دنیا کے جدوجہد سے کنارہ گیری، ترک عمل اور سکون کو، بلکہ ایک نے تو یہان تک کہدیا،

بقدر ہر سکون راحت بود بنگر تفاوت را   دویدن، رفتن، استادن نشستن خفتن و مردن

ہمارے صاحب دل شاعر خواجہ میر دردؔ نے تو دنیا کی کشمکش اور باہمی جدوجہد کو طوفان زندگی ہی بنا دیا،

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے   ہم تو اس جینے کے ہاتھون مرچلے

لیکن عرب کا تخیل اس کے بالکل برخلاف ہے، اس کے نزدیک فی الحرکۃ برکۃ کا کلیہ ہے، تفصیل کا یہ موقع نہین لیکن یہ کہدینا ہے کہ اسلام مین بھی اگلی اور پچھلی دونون زندگیون کا لطف "ترک عمل" مین نہین بلکہ عمل یعنی عمل صالح" مین ہے، یورپ و امریکہ کی جمہوری طبیعتون مین ہر چیز کا فیصلہ کثرت رائے سے ہوتا ہے، یہان تک کہ دنیا کے اس پرانے جھگڑے کا فیصلہ بھی اسی جمہوری طریقہ سے ہوا،

مسز کلی نے جو امریکہ کی ایک فسانہ نگار خاتون ہین اپنے دوستون اور ملاقاتیون کو خطوط لکھکر دریافت کیا کہ موجودہ دور زندگی کی اصل دل آویزی کیا ہے، تقریباً وہ تمام جوابات جو ان کے پاس پہونچے اس امر پر متفق ہین کہ اس زمانہ مین زندگی کی کشش "کام" مین پوشیدہ ہے، نامہ نگارون نے اپنے خیالات کا اظہار اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر کیا ہے، ان جوابات مین سے بعض حسب ذیل ہین،

ایک متوسط العمر شخص لکھتا ہے "زندگی یقیناً میرے لئے بے لطف ہو جاتی اگر میرے کام سے متعلق ہزارون مشاغل روز مجھے اپنی جانب متوجہ نہ رکھتے، اسی لئے میرا یہ خیال ہے کہ جس چیز سے مجھے نہایت قوی اور قابل اعتماد حظ حاصل ہوتا ہو، وہ میرا کام ہے" ایک دوسرا شخص جواب مین لکھتا ہے، "ایک عمدہ مشغلہ جس سے تمھین دلچسپی ہو، جو تمھاری بہترین قوت کو ظاہر کرے اور جس سے تمھین کافی معاوضہ حاصل ہو"

جن عورتون نے بجائے تاہل کی زندگی کے کاروباری زندگی اختیار کرلی ہے، وہ ہمیشہ کام کی مدح سرائی کرتی ہین، چنانچہ ایک عورت جو اپنے پیشہ مین بہت کامیاب ہے لکھتی ہے "میری زندگی کی سب سے بڑی دل آویزی اس بات مین ہے کہ کوئی ایسا کام ہو جو مجھے اپنی تمام دماغی قوتون کے ساتھ مشغول رکھے" ایک باحوصلہ نوجوان فوجی افسر نے بھی تقریباً اسی خیال کو دوسرے نقطۂ نظر سے ظاہر کیا ہے، وہ لکھتا ہے "تمھارے سامنے کوئی مطمح ہونا چاہئے، کوئی ایسی چیز جسے تم حاصل کرنا چاہتے ہو، اور جس کے حصول کے لئے تم کوشش کرو، لیکن وہ چیز ایسی ہو کہ جب تم اس کے پاس پہونچ جاؤ، تو وہ پہلے سے زیادہ پسندیدہ شکل اختیار کرکے تم سے دور ہو جائے، اگر ایسا نہین ہے تو زندگی بے کیف اور بے مزہ ہے، اور اس قابل نہین کہ اسے اختیار کیا جائے" ان سیکڑون آدمیون مین سے جن کے نام مسز کلی نے خطوط لکھے تھے، صرف دو ایسے ہین جنھون نے صاف طور پر لکھا ہو کہ زندگی جینے کے لائق نہین، ان مین ایک معمر عورت ہے، جو دنیا کی نعمتون سے ناآشنا ہے، وہ لکھتی ہے "زندگی نے جو چیزین مجھے دے رکھی ہین، وہ ہرگز اس رنج و غمگینی، اور مصیبتون کا معاوضہ نہین ہوسکتین، جو اپنی محرومیون کے باعث مجھے حاصل ہوئین" دوسرا شخص جس نے زندگی سے بیزاری کا اظہار کیا ہے، ایک تندرست نوجوان شاعر اور کامیاب مصنف ہے، اُسے یقین کامل ہے کہ دنیا مین اس قدر کافی حظ حاصل نہین ہوسکتا کہ انسان اس کے لئے زندہ رہنے کی زحمت گوارا کرے، اس سے پوچھا گیا کہ پھر آخر وہ کیون اس زندگی کو برداشت کر رہا ہے، جواب دیا کہ "زندہ رہنے، اور اپنی قوتون کو استعمال کرنے کی عادت انسانون مین اس حد تک جڑ پکڑ چکی ہے کہ مین اپنی زندگی کو موجودہ حالت سے زیادہ خراب کئے بغیر اس کے خلاف کرہی نہین سکتا"

"ع ز"

"کیمبرج ہسٹری آف انڈیا"

کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے نام سے ہندوستان کی جو تاریخ انگریز اہل قلم کیمبرج سے شایع کررہے ہین اب اس کی پانچوین جلد برٹش انڈیا کے نام سے شائع ہوئی ہے، اس مین ۱۴۹۷ء سے ۱۸۵۸ء تک کی تاریخ ہے، حالانکہ اس عہد کی پہلی صدی مین انگریزون نے ہندوستان مین کوئی نمایان حیثیت نہین حاصل کی تھی، اس جلد کو پروفیسر ڈاڈول (Prof. Dodwell) نے اڈیٹ کیا ہے اور انھون نے اس کتاب کے متعدد ابواب بھی لکھے ہین، کیمبرج ہسٹری کی اور جلدون کی طرح یہ کتاب بھی مختلف مصنفین کے مقالات کا مجموعہ ہے، پہلی جلد کے مولفین کی راہ مین ہند قدیم کے حالات کے متعلق اصلی مواد کی قلت حائل تھی، اور تیسری جلد کی ترتیب دینے والون کے سامنے مسلمان مورخین کا پیش کردہ مواد تھا جو (معارف، انگریز مصنفین کے خیال مین) غلطی اور جانب داری سے پاک نہ تھا، اس پانچوین جلد کی تدوین مین اس قسم کی کوئی دقت نہ تھی، ہندوستان کے تعلقات یورپ اور خصوصاً انگلستان کے ساتھ معلوم کرنے کیلئے کافی اور مستند ماخذ موجود ہین، یہان دقت اس بات کی تھی کہ تمام مواد مین سے کیونکر انتخاب کیا جائے اور اس انتخاب کو کتاب کے محدود صفحات مین کیونکر داخل کیا جائے، اس مشکل کو حل کرنے مین پروفیسر ڈاڈول نے شاندار کامیابی حاصل کی ہے،

پہلے باب مین سر ڈینسن راس (Sir Denison Ross) نے سولہوین صدی کے ہندوستان اور پورتگال کے تعلقات کو بیان کیا ہے، پروفیسر جیل (Prof Geyl) نے ڈچ (Dutch) لوگون کے حالات لکھے ہین جو سترہوین اور اٹھارہوین صدی مین ہندوستان مین آباد تھے، ایم ہنری فرودیوا (M. Heri Froidevaux) نے ہندوستان مین ابتدائی فرانسیسی آبادیات کا ذکر لکھا ہے اور ڈپلے اور بسی (Dupleix Bussy) کے عہد کی تاریخ پروفیسر الیفرڈ مارٹینو (Prof. A. Martiniau) نے لکھی ہے، تاریخ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مولف سر ولیم فارسٹر (Sir. W. Forster) ہین، پروفیسر ڈاڈول

نے اٹھارہوین صدی کے دوسرے نصف کے متعلق آٹھ ابواب لکھے ہین اور ان مین سے وہ ابواب بہت خوبی کے ساتھ لکھے گئے ہین، جن مین بنگال، کرناٹک، اور میسور کے حالات سے بحث ہے، مسٹر پی، ای، رابرٹس (P. E. Roberts) نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے آخری دور کی تاریخ لکھی ہے، کرنل لُوارڈ اور مسٹر اڈورڈیس نے مرہٹون کے حالات سے بحث کی ہے، ان مین مرہٹون کے دستور ملکی و نظام حکومت خاص قابلیت سے بیان کیے گئے ہین، ڈاکٹر ہٹن (Dr. W. H. Hutton) نے ٹیپو سلطان، ولیزلی، اور کارنوالس کے حالات لکھے ہین، مسٹر آرچبالڈ (Archibald) نے نہایت قابلیت کے ساتھ فتح سندھ و پنجاب اور پہلی افغان جنگ کی تاریخ لکھی ہے، پروفیسر پینسن (Prof. Penson.) نے اٹھارہوین صدی کے بنگال کے نظام حکومت سے بحث کی ہے اور مسٹر گوین (J. T. Gwynn) نے نہایت خوبی کے ساتھ مدراس کے قانون لگان پر ایک مقالہ لکھا ہے، آخر مین برما اور ہندوستان کے ابتدائی تعلقات پر مسٹر ہاروے (Mr. Harvey) کا مفید بیان ہے، دیسی ریاستون کے حالات کرنل لُوارڈ (Luard) نے لکھے ہین، اور برطانوی ہند مین حکومت برطانیہ کے ارتقاء کی تاریخ جنرل اڈیٹر نے ایک باب مین پیش کی ہے،

معارف:- یہ بات اہل انصاف مورخین کے لیے سخت تعجب انگیز رہے گی کہ مسلمان مورخین کا بیان اپنی تاریخ کے متعلق تو "جانب داری" سمجھی جائے، لیکن انگریز مورخین کے بیان کو اپنی تاریخ کے متعلق "جانب داری" سے سرتاسر بری قرار دیا جائے، کیا انگریزون کے پروپگنڈے کی قوت اس جنگ مین جرمنی کی توپون کی طاقت سے زیادہ مہیب نہین ثابت ہو چکی ہے،

اخبارِ علمیہ

انشا پر آلہ تحریر کا اثر

فورتونل استروسکی (Fortunal Strowski) ممبر فرنچ انسٹیٹیوٹ کا دعویٰ ہے کہ وہ کسی تحریر کے متعلق بتا سکتے ہین کہ یہ آہنی قلم، فاونٹن پن، یا ٹائپ رائٹر کی لکھی ہوئی ہے، اس دعویٰ کی دلیل مین وہ حسب ذیل مثالین پیش کرتے ہین، سولھوین اور سترہوین صدی کی تمام اہم تصنیفات پر کے قلم سے لکھی ہوئی ہین، یہ قلم بہت نرم ہوتا تھا اور اس سے ہلکے ہی ہاتھون سے لکھا جا سکتا تھا، اس کے لئے جس قدر احتیاط کی ضرورت تھی یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اُن مصنفین مین خیالات کی پاکیزگی، فصاحت، اور سلاست پائی جاتی ہے، آہنی قلم مین وہ احتیاط ضروری نہین تھی جو پر کے قلم مین برتنا پڑتی تھی، اسی لئے ایسے قلم کی تحریر مین تیزی اور روانی زیادہ پائی جاتی ہے، فاونٹن پن سے یہ تیزی بہت زیادہ ترقی کر گئی، اس سے لکھنے مین ہاتھ اس وقت تک نہین رکتا جب تک تحریر ختم نہ ہو جائے، لکھنے والا اس روانی کو روکنا نہین چاہتا، اور جو کچھ بھی اس کے قلم سے نکلتا ہے، لکھتا جاتا ہے، تحریر کی فصاحت اور بلاغت کا خیال نہین کرتا، آخر مین ٹائپ رائٹر کی نوبت آتی ہے، اس کا ہر حرف اور ہر جملہ صاف اور شستہ ہوتا ہے، اس مین فضول انشا کی گنجائش نہین ہوتی، خیالات مین بھی ابہام اور پیچیدگی نہین ہوتی،

انگوٹھے کا نشان،

فرانس کے ڈاکٹر اڈمنڈ لوکارڈ کا بیان ہے کہ انگلیون کے سرے کا نشان چین والون کو سنہ قبل مسیح مین معلوم تھا، اس کا ذکر یورپ کے ماہرین علم الابدان نے سترہوین صدی مین کیا ہے، اس کے بعد اکثر سائنس دانون نے اس کے استعمال کو شناخت کی غرض سے ترقی دی، سنہ ۱۶۸۶ء مین مارسلو مالپگی

نے جو اٹلی کا رہنے والا تھا، ان نشانات کا بیان نہایت تفصیل سے لکھا، چند اور ماہرین علم الابدان نے بھی اس کے متعلق لکھا ہے، مگر درحقیقت اس فن کو دریافت کرنے والا بوہیمیا کا پروفیسر پرکنجے ہے، سنہ ۱۸۲۳ء مین اس نے ایک کتاب لکھی جسمین انگلیون کے نشانات کا مفصل بیان اور اُن کی تقسیمین دکھائی ہین، سر ولیم ہرشل نے جو ضلع ہوگلی (بنگال) مین چیف اڈمنسٹریٹر تھے، سنہ ۱۸۵۸ء مین بنگالی زبان مین لکھے ہوئے خطوط پر انگوٹھے کے نشان کو استعمال کرنا شروع کیا، دستخط کے عوض یا دستخط کے بعد بھی اہل ہنود اپنی انگلی کو روشنائی مین ڈبو کر کاغذ پر نشان بنا دیا کرتے تھے، غالباً ہرشل کو ابتدا مین یہ نہین معلوم تھا کہ اس نشان سے شناخت بھی ہو سکتی ہے، وہ شروع مین ہندوون کے اس عقیدہ سے کام لیتے تھے کہ جسم کے کسی حصہ کا نشان دستخط سے زیادہ مستحکم ہے، لیکن عرصہ کے تجربہ کے بعد ان پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ نشانات شناخت کا بہترین ذریعہ ہین،

شور کا اثر،

نیویارک (امریکہ) مین ایک کمیشن اس غرض سے متعین کیا گیا ہے کہ جہان تک ممکن ہو شور و غل مین تخفیف کرے، اس کمیشن نے اپنی رپورٹ مین ظاہر کیا ہے، کہ قوائے انسانی سڑکون اور پڑوس کے شور سے روز بروز کمزور ہوتے جاتے ہین، قوت سماعت گھٹتی جاتی ہے، اعضاے رئیسہ ضعیف ہوتے جاتے ہین اور آخر مین نتیجہ اکثر دیوانگی ہوتا ہے، سالانہ اعداد و شمار سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ امریکہ مین دیوانگی نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی ہے، علاوہ برین کمیشن کا خیال ہے کہ شور کی وجہ سے خیالات مجتمع نہین ہو سکتے تعلیم مین ہرج واقع ہوتا ہے، اور بچون کے معمولی نشو و نما مین رکاوٹ پیدا ہوتی ہے،

ایک راز کی عقدہ کشائی

تینتیس ۳۳ سال ہوئے تین آدمی قطب شمالی تک پہونچنے کے لئے ایک غبارہ مین روانہ ہوئے تھے مگر وہان پہونچنے سے قبل ایسا غائب ہوئے کہ باوجود تلاش کے انکا پتہ نہین چلا، ان مین سے ایک سوئڈن کا

رہنے والا آگسٹ اینڈری اور وہ اس کے ساتھی تھے، حال مین ان کی لاشین برآمد ہوئی ہین جو تینتیس سال سے برف مین چھپی ہوئی تھین، انکا پتہ کھانا پکانے کے ایک برتن سے چلا جو برف پر پڑا پایا گیا، حسن اتفاق سے برف کئی فٹ بہ گئی تھی، ورنہ اب بھی سراغ نہ ملتا، اس لئے کہ دریافت سے دو ہی ہفتہ قبل ایک اور وفد اسی غرض سے گیا تھا جو ناکام واپس آیا، لاشون کے ساتھ مختلف آلات اور کتابین بھی پائی گئین،

عیسائیت اور مسئلۂ ارتقا

عیسائیت اب تک مسئلۂ ارتقا کی قابل نہ تھی، لیکن حال مین لندن مین لیمبتھ کانفرنس جو آرچ بشپ آف کنٹربری کے زیر صدارت منعقد ہوئی تھی اس مین جہان اور بہت سی نمایان تجویزین پاس ہوئین وہان اس مسئلہ کو بھی صاف کردیا گیا، آرچ بشپ موصوف کی طرف سے اس کے متعلق جو بیان شایع ہوا ہے، اس مین حسب ذیل اعتراف ہے، "ہمین معلوم ہے کہ عیسائی قومون مین بھی خدا کا خیال کس حد تک لوگون کے دماغون اور دلون سے غایب ہوتا جاتا ہے،" سائنس کی روز افزون ترقی نے عیسائیت کی بنیاد کو ہلا دیا ہے، لہذا اب کوشش اس امر کی کیجارہی ہے کہ سائنس کے اصولون کو مذہب کے قوانین سے مطابقت دیجائے، چنانچہ بیان مذکورہ بالا مسئلۂ ارتقا کو یون حل کرتا ہے، "مختلف سائنسون کی مدد سے ہمین ہر شے مین ایک ارتقائی تسلسل معلوم ہوتا ہے، جس کے ہر درجہ پر خدا کا وجود اور اس کی طاقت دکھائی دیتی ہے،"

جنگ پر مذہبی بندش

لیمبتھ کانفرنس کی ستر تجویزون مین سے ایک بین اقوامی امن سے بھی متعلق ہے، وہ یہ ہے، جب کہ قومون نے آپس کے مناقشات کو باہمی مصالحت سے طے کرنے کا ایک سنجیدہ معاہدہ کرلیا ہے، تو ایسی صورت مین اس معاہدہ کے خلاف اگر کسی ملک کی حکومت مصالحت سے ان مناقشات کو طے کرنا نہین چاہتی اور جنگ کرنا چاہتی ہے، تو وہان کے چرچ کو لازم ہے کہ ایسی جنگ مین مدد دینے سے انکار کردے،" عیسائی چرچ نے گذشتہ جنگون میں جو نمایان حصہ لیا، اس سے تاریخ کے صفحات پُر ہین، آج اپنی روش کے خلاف

اس نے ایک نئے راستہ پر قدم رکھنے کی ہمت کی ہے، دیکھنا یہ ہے کہ صدیون کی عادت سنگ راہ تو نہین ثابت ہوئی،

فلسطین کا زراعتی کالج

آجکل فلسطین کو سب سے زیادہ مدد جدید طریقۂ زراعت سے مل رہی ہے، گو اسوقت اسکا اثر صرف یروشلم کے گرد و نواح مین نمایان ہے، لیکن کچھ دنون مین ملک کے ہر حصہ مین محسوس ہونے لگے گا، اس مفید تحریک کی بنیاد اب سے پچاس سال قبل پیرس کے ایک دولتمند یہودی ایم. نٹانے ڈالی تھی جسنے نکوہ اسرائیل (ایک مقام کا نام) کا زراعتی کالج قائم کرکے تمام فلسطین کو فائدہ پہنچایا، یہ کالج ایسی زمین پر بنایا گیا ہے جو اپنی زرخیزی کیلئے مشہور رہی، ابتداءً ایم. نٹانے روس اور مشرقی یورپ کے ستم زدہ یہودیون کیلئے ایک گوشۂ عافیت بنانا چاہا تھا، اس غرض سے اُسنے سلطان ٹرکی سے ..۔ ایکڑ زمین حاصل کی تھی، اُس نے اس کالج کیلئے اسقدر کثیر مستقل سرمایہ چھوڑا ہے کہ اسوقت ۲۰ اساتذہ اور ۲۰۰ طلبہ کام کررہے ہین، طلبہ تین سال تک کالج مین رہتے ہین، اُسکے بعد یا تو خود زراعت کرنے لگتے ہین یا اسی کالج مین تعلیم کی خدمت انجام دیتے ہین، کالج کی طرف سے گشتی لکچرون کا بھی انتظام ہے، اور یہان کے اساتذہ ملک کے مختلف حصون مین جاکر جدید طریقۂ زراعت کو اپنی تقریرون اور عملی نمایش سے سمجھاتے ہین، کالج کا نصاب تعلیم وسیع اور جامع ہے، اس مین زراعت کی وہ تمام شاخین شامل ہین جو ملک اور آب و ہوا کے موافق ہین، مثلاً سنترے پیدا کرنا، شراب بنانا، گائے، بیل، بھیڑ، بکری، مرغی، اور شہد کی مکھیان پالنا، اس کالج کے ہر چہار طرف یوکلپٹس کے درخت لگے ہوئے ہین، جس سے آب و ہوا پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے،

مکوہ اسرائیل کالج صرف لڑکون کے لئے ہے، لیکن فلسطین کے محکمۂ تعلیمات نے اُسکی اہمیت کو محسوس کرکے ۱۹۲۶ء مین لڑکیون کے لئے بھی ایک زراعتی مدرسہ نہالال مین کھول دیا ہے، یہ مفید ثابت ہورہا ہے، یہان کا نصاب تعلیم بھی بہت جامع ہے، اس مدرسہ مین خاص توجہ مکھن، وغیرہ بنانے اور مرغیان اور شہد کی مکھیان پالنے پر دی جاتی ہے، فلسطین مین واقف کار کاشتکار عورتون کی مانگ روز بروز بڑھ رہی ہے، اسلئے خیال ہے کہ اس مدرسہ کو عنقریب اور زیادہ وسیع کیا جائے گا،

"ع ز"

ادبیات

کلماتِ طاہر

از

جناب صفی الدولہ حسام الملک شمس العلماء نواب سید محمد علی حسن خان طاہر،

جناب صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خان جو ایک پرانے علمی خاندان کی یادگار ہونے کے علاوہ استاذ مرحوم کے مخلص احباب مین ہین اور ہمارے مخدوم ہین، اور دار المصنفین کے رکن اساسی ہین گو وہ اعظم گڈھ ایک بار مولانا کی زندگی مین، اور دوسری دفعہ اُن کے حادثۂ وفات کے بعد تشریف لاچکے تھے، مگر دار المصنفین کے قیام کے بعد وہ کبھی نہین آئے، مدت سے اصرار اور وعدہ چلا آرہا تھا، اور پورے بارہ برس یعنی ایک جگ سے یہ مہاجارت جاری تھی، بالآخر پچھلے ماہ یعنی اوائل اکتوبر ۱۹۳۰ء مین وہ صلح سے بدل گئی، موصوف تشریف لائے اور تین روز قیام فرمایا، شعر و سخن کی مجلس گرم رہی، اس منتِ قدوم کے علاوہ موصوف نے یہ کرم بھی فرمایا کہ اثنائے راہ مین طبعِ گرامی کی طرف سے ایک ہدیۂ سامی بھی تیار کرکے ساتھ لائے جس کو الھدایا مشترکۃ کے اصول کے مطابق ہم اپنے احباب مین بھی تقسیم کرتے ہین" "سلیمان"

ہر دل مین نیا اُن کا اثر دیکھ رہے ہین
ہم جدتِ شوخیٔ نظر دیکھ رہے ہین،

ہم اُن کی یہ تاثیرِ نظر دیکھ رہے ہین
ہر بزم مین اک فتنہ و شر دیکھ رہے ہین،

شہرت سے مِرے عشق کے بدظن ہین وہ ایسے
اخبار کی ایک ایک خبر دیکھ رہے ہین،

کس منہ سے کہین اُن سے یہی عہدِ وفا تھا
دنیا ہی کو جب زیر و زبر دیکھ رہے ہین

ہنستے ہین وہ بلبل کی پریشان نظری پر
عارض سے ملا کر گلِ تر دیکھ رہے ہین

اک صورتِ تصویر ہے ہر جلوہ کسی کا
ہر ایک سمجھتا ہے، اِدھر دیکھ رہے ہین

کس[1] جلوۂ دیدار کی طاہر یہ کشش ہے،
یون تجکو جو سرگرمِ سفر[2] دیکھ رہے ہین،

قطعۂ ارتحال اب بن سلطان جہان بیگم مرحومہ سابق والیۂ عالیہ کشور بھوپال

نتیجۂ فکر جناب مولانا محمد عبداللہ صاحب صفا پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی کالج

اے صفا این دارِ فانی مجمعِ اضداد ہست
شادی و غم توام است و رنج و راحت ہمعنان

ہست نیرنگِ حوادث کارگاہِ کائنات
ہیچ چیزے جاودانی نیست در کون و مکان

عالمِ امکان بیک حالت نمی گیرد قرار
ہست احوالِ جہان گاہے چنین گاہے چنان

رشکِ گلزار است دل گاہ از وفورِ انبساط
گاہ از فرطِ الم چون مجمرِ شعلہ فشان

عید قربان آمد و آورد دورِ خرمی
ہر مسلمان بہرہ ور شد از سرورِ بیکران

لیکن آن عیشِ دو روزہ گشت بر ماتم تمام
روزِ سوم کوہِ غم افتاد بر بھوپالیان

گشت از دستِ اجل ماہِ محرم ماہِ عید
جانبِ فردوس رحلت کرد سلطانِ جہان

آنکہ ذاتش بود بہر مومنان ظلِ خدا
آنکہ بر جملہ رعایا مثلِ مادر مہربان

آنکہ قلبش پاک بود از حبِ جاہ و ملک و مال
کرد از خلعِ حکومت شانِ استغنا عیان

[1] جناب محترم علامہ سید سلیمان ندوی کی طرف اشارہ ہے منہ [2] یعنی سفرِ اعظم گڈھ منہ

نیک طینت، پاک باطن، صاف دل، عالی خیال — ذی وقار و با مروت، کامگار و کامران

حق پژوہ و حق شناس و حق پسند و حق پرست — خوش خصال و خوش سیر، خوش خلق و خوشخو، خوش بیان

چارہ ساز و غمگسار و دادگر، فریادرس — یاور بیچارگان و دستگیر بےکسان

از وفاتش قصر سلطانی شدہ ماتمکدہ — در غم او جملہ اعیان ریاست نوحہ خوان

از فنایش شد فنا تاب و توان صبر و شکیب — وز رحیلش تیرہ و تاریک شد این خاکدان

ہر کہ و مہ آہِ سوزان میکشد در فرقتش — زار می نالند در ہجرش ہمہ پیر و جوان

گوہر تاریخ شد بے آب از گردِ الم

رفت زین دار فنا نواب سلطان جہان

۱۳۵۱
۳ —
۱۳۴۸ھ

دیگر

صد حیف کہ سلطان جہان بیگم بھوپال — از ہستیِ خود بزم جہان ساختہ خالی

ہاتف بہ صفا گفت کہ تاریخِ وفاتش — گو یافت بہ فردوس برین منزلِ عالی

۱۳۴۸ھ

ٹوٹا ہوا دل

از مولوی کریم الرضا خان صاحب بی اے، ال، ال، بی، شاہجہانپور

اے مرے ٹوٹے ہوئے دل صبر کرنا چاہئے — راہِ الفت مین قدم ہمت سے دھرنا چاہئے

تجھکو طوفانِ حوادث سے نہ ڈرنا چاہئے — ہان یہی شرطِ محبت ہے کہ مرنا چاہئے

دیکھ دامانِ وفا چھوٹا تو پھر پچھتائیگا،

عشق کی عظمت پہ تجھسے مفت دھبہ آئیگا

رہ نوردِ دشت الفت راہ کی پروا نہ کر — ہمین بنجاتے ہین اگر راہزن خود راہبر

استقامت شرط ہے راہ محبت مین مگر — یہ سفر وہ ہے جہان ہوتے نہین شام و سحر

اس مین جو لٹ جائیگا میدان اُسکے ہاتھ ہے

فکر منزل کی نہ کر منزل تو تیرے ساتھ ہے

شمع سان سوزِ محبت مین بھی خاموشی رہے — پانون کو لغزش نہ ہو اور نخل مینوشی رہے

ننگ ہے گر عاشقی مین مصلحت کوشی رہے — غم فراموشی نہ ہو گو خود فراموشی رہے

مسلکِ الفت مین عزت نام رسوائی کا ہو

طور وش خاموش جلنا کام شیدائی کا ہو

باب التقریظ والانتقاد

"عرب وہند کے تعلقات"

از

جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی

جناب نواب صدر یار جنگ مولینا حبیب الرحمان خان شروانی جو حضرت استاذ مرحوم کے حلقۂ احباب مین میرے واجب التعظیم مخدوم ہین اُنھون نے میری حقیر تازہ تالیف "عرب وہند" پر تبصرہ لکھکر ذرہ نوازی فرمائی ہے حضرت استاذ مرحوم کے ساتھ موصوف کی یہ سنت قدیم رہی ہو کہ اُن کی تصانیف پر وہ اکثر اور سب سے پیشتر تبصرے لکھا کرتے تھے جو بجائے خود ادب و انشا کے جواہر ہوتے تھے، موصوف نے عرب وہند پر تبصرہ لکھکر غالباً اسی نسبت کو قایم رکھا ہے، اور اپنی بزرگانہ پاسِ وضع کا یہ ایک نیا ثبوت پیش کیا ہو

بلبل ہمین کہ قافیۂ گل شود بس است "سلیمان"

قدرت نے عرب وہند کا رشتۂ تعلق سمندر کے ذریعہ سے قایم فرمایا ہے، رہروانِ شوق ساحلِ ہند کو چھوڑ کر بے واسطہ سرزمینِ عرب مین داخل ہوجاتے ہین، یہ ایما اور اشارہ تھا کہ ہند وعرب کے تعلقات مین بھی وہی صفائی اور دل کشائی رہی ہوگی جو سمندر کا خاصہ ہے،

اغراض نے اور نظر کی کوتاہیون نے سرچشمۂ صفاو وفا کو خس وخاشاک سے پاٹ دیا، وسعت مشرب کے سمندر کو چھوڑ کر تنگ اور تاریک خلیجین پسند کرلی گئین جن کا پانی رکاوٹ اور بندش سے متعفن ہو کر دل ودماغ کے لئے سم قاتل بن چکا تھا جب عرب وہند کے تعلقات کا تصور کیا جاتا خنجر کے سر فلک

پہاڑ سنگ افشان نظر آتے جن سے کبھی سر چکنا چور ہوتے کبھی ہاتھ پانون پاش پاش، ضرورت تھی کہ گہری نگاہین گوہرِ مقصود کا پتہ لگائین خس وخاشاک کو دور کرکے اصلیت کی تہ تک پہونچین، اور آج جب کہ دل ملجانے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، دکھائین کہ کبھی اس سرزمین پر محبت وہمدردی کا ابرِ رحمت بھی برسا تھا، اس کے لئے تصنع کی حاجت نہ تھی، واقعات کو بگاڑنے اور بنانے کی ضرورت نہ تھی، صرف چہرۂ حقیقت کو بے نقاب کر دینا کافی تھا، مگر شاہدِ مقصود تک باریابی ہر ایک کی قسمت مین نہین آئی ہے، کارکنانِ قضا وقدر نے یہ فتحیابی "سلیمانِ وقت" کے لئے محفوظ ومخصوص فرمادی تھی،

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہان

ہندوستانی اکاڈیمی مبارکباد کے قابل ہے کہ اس نے انتخاب بجا اور بہت بجا کیا مجلس مذکور نے مولوی سید سلیمان صاحب ندوی کو مدعو کیا، کہ عرب وہند کے تعلقات پر الٰہ آباد آکر لکچر دیں[1]، شاید الٰہ آباد گنگا جمنا کا سنگم ہونے کی وجہ سے اس کے لئے سب سے زیادہ موزون مقام تھا، ان خطبات کی کامیابی کا اصل راز [illegible] جن پر اُن کی عمارت تیار ہوئی ہے،

اگر ایرانی اور ہندوستانی مورخون کی طرف ہمارا فاضل دوست منہ کرتا تو [illegible] [illegible]

دمیقہ سنجی اور بلند نظری اُس میدان دل کشا مین ان کو لے پہونچی جہان عرب کی پاک وصاف ہوائین روح پرور تھین، تعصبات کی گندگی نے جہان رسائی حاصل نہ کی تھی،

سلیمانِ زمان نے دیو وپری کی داستانون کا سنانا باعثِ عار سمجھا، اور ان نکتہ سنج حقیقت نگار مصنفین اور سیاحون کو اپنا رفیق طریق بنایا جن کی فکر اور نظر مین اسلامی وسعت اور صدق پسندی تھی، سلیمان تاجر، ابن خردازبہ، ابو دلف مسعودی، ابن حوقل، بشاری، ابن بطوطہ اور اور ایسے بہت سے محقق سیاح جغرافیہ نویس، تاریخ نگار ہین، جنکی کتابون مین اسلامی تعلیم کے اثر سے مذکورۂ بالا

[1] یہ لکچر مجموعہ کی شکل مین اکاڈیمی کی طرف سے ٹائپ مین چھپے ہین، اور دفتر اکاڈیمی الٰہ آباد سے ملین گے ضخامت ۳۰۰ صفحے قیمت مجلد عہ

صفات پوری طرح جلوہ فرما ہین، فاضل خطیب نے جن کتابون سے کام لیا ہے، نہ خیال کرنا کہ یہ کتابین کہین خس وخاشاک کے انبار مین اُنکو ہاتھ آگئی ہین، نہین قریبًا سب کی سب یورپ کی شائع کردہ اور پسندیدہ ہین، لیکن افسوس ہے کہ اُن سے یہ کام اب تک نہ لیا گیا ورنہ تعلقات کی یہ بربادکن صورت نہ ہوتی، ان لکچرون کی وسعت چار سو تائپ کے چھپے ہوئے صفحات سے زیادہ ہے، تاہم یہ بیان مبالغہ سے خالی ہے، کہ وہ خیالی مضامین یا عبارت آرائی سے بالکل پاک صاف ہین، واقعات پر مورخانہ اور فلسفیانہ بحث کی ہے، اور بحث کے صحیح نتائج سامعین وناظرین کو دکھائے اور سنائے ہین، جو اہم اور نتیجہ خیز مطالب اس کتاب مین ہین، اُن کی فہرست ۵۰ صفحون سے زیادہ پر ہے، اور خود اُن کی تعداد کم وبیش ۶، ۵ ہزار سے [illegible] آپ اندازہ کر سکین گے کہ کس قدر غور وفکر اور وسیع اور عمیق مطالعہ کے بعد یہ لکچر تیار ہوئے ہون گے،

اس کتاب مین پانچ باب ہین، پہلے باب کا عنوان، ،تعلقات کا آغاز اور ہندوستان کے عرب سیاح، ہے، [illegible] باب مین جن مطالب سے بحث ہے، اُن کا نمونہ ان عنوانون سے معلوم ہو سکے گا، ،ہندوستان مسلمانون کا پدری وطن، ،ہندوستان کا بہشتی دریا، ،نور محمدی کا ظہور ہندوستان مین، ،سادات نیم ہند [illegible] [illegible] عربی زبان مین، [illegible] کے زمانہ مین، علیٰ ہذا القیاس، اسی [illegible] عرب سیاحون کا ذکر آیا ہے، [illegible] بزرگ [illegible] ملاح، مسعودی، ابن [illegible] ابن بطوطہ [illegible] ان کے سوا اور مورخین اور ج[illegible] نویسون سے اس باب مین تعارف ہو جاتا ہے،

اپنے مشاہدون مین جو حالات اور واقعات ان حقیقت نگار مصنفون نے دیکھے اور لکھے ہین [illegible] بحث کی ہے، مثلاً یہ اہم سوال کہ سندھ مین مسلمانون کا مقابلہ کس سے ہوا، عام طور پر مد مقابل ہ[illegible] جاتے ہین، مگر در اصل وہ بدھ تھے، سندھ کا نقشہ جو ابن حوقل نے تیار کیا، (جس کی نقل شامل کتاب ہے) ہندوستان کی بولیان، الہٰیت کی تاریخ کی تکمیل کی بابت کار آمد مشورہ، یورپین مورخون کے یونانی بیانات

کو ہندوستان کی قدیم تاریخ کا واحد ماخذ ماننے پر بجا گرفت،

دوسرے باب مین تجارتی تعلقات سے بحث ہے، اس باب مین اُن تعلقات کا دروازہ کھول دیا گیا ہے جو قدرۃً ملنساری اور خوش گوار پر امن راہ ورسم کے متقاضی ہین (یعنی تجارتی تعلقات (مگر افسوس آج یہ کلیہ ٹوٹ چکا ہے) اس باب کی شانِ تحریر بالکل تاجرانہ نقطۂ نظر سے ہے، بحری راستے، بندرگاہین منزلین اور مسافتین، ہندوستانی پیداوار (جنمین یادش بخیر آم اور پان بھی ہین) اور بیوپار، مصنوعات بحر ہند کے بازارات، ایک عرب ہندوستانی کا وطنی گیت، غرض وہ سب کچھ اس باب مین موجود ہے جو [illegible] تجارت کا لوازمہ ہے، اور جن سے بحث تاجرانہ ذوق کے متقاضی ہے، اس باب مین بعض او[illegible] [illegible] واقعات بھی آجاتے ہین، مثلاً قرآن کریم مین تین ہندی نام، بنا عرب جہازون مین، ہندوستان کے [illegible] روسی تاجر،

تیسرا باب دوسرے باب سے بھی زیادہ بلند پایہ ہے، اس لئے کہ اُس مین علمی تعلقات سے بحث ہے [illegible] بت پرستی [illegible] پر حاصل بحث کی گئی ہے، اس کے مطالعے مین ہم جاحظ بصری، یعقوبی، ابن [illegible]ی، البوریحان بیرونی، قاضی صاعد اندلسی، وغیرہم عالی مرتبہ علما سے فیضیاب [illegible] ہین،

[illegible] اس باب کی جانِ سخن برامکہ کے لفظ کی بے نظیر تحقیق ہے، جس پر مین اپنے عزیز کو دلی مبارکباد [illegible]ن، اور کہتا ہون کہ تحقیق کا یہ نقش ایک ،بہاری قلم، کے انتظار مین پس پردۂ تقدیر تھا،

آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

[illegible] شروع سے دیکھئے، قدیم مورخون کی نظر تو لفظ تک محدود رہی، برمک کو قدرۃً فارسی لفظ سمجھ کر زہر کا قصہ بیان کر دیا جس نے ساری عمارت ڈھادی، برامکہ کا دورِ حاضر کا محقق مورخ پیر مغان کے ساغر سے سرشار ہو کر رہ گیا، معزز خطیب کی بحث کو بغور پڑھئے تو آپ پر واضح ہو گا کہ

کس تحقیق سے یہ ثابت فرمایا گیا ہے، کہ بلخ کا نوبہار جس کے پجاری برامکہ تھے آتشکدہ نہ تھا، بلکہ بدھون کی خانقاہ تھی، عربون نے اُس کا نقشہ اُس کے رسوم اُس کے لوازم سب ہی تو بیان کر دیئے ہین، اس مصالح کی بنیاد پر ثابت کیا گیا ہے، کہ نوبہار نو او بہار تھا، فارسی لہجہ مین نوبہار بن گیا جس طرح ہندی وہار بھی بہار ہو گیا،

برامکہ بودھ تھے، اور برمک دراصل سنسکرت کا لفظ پرمک تھا جس کے معنی برتر اور بڑے مرتبہ والے کے ہین،

چوتھا باب مذہبی تعلقات کے متعلق ہے، اس باب کی بحث کی بنیاد خصوصاً کتاب البدء والتار[یخ] ابو العباس ایرانشہری، عبد الکریم شہرستانی، عبد القاہر بغدادی، اور مرتضی زیدی کی تصانیف ہین [illegible] ہذا کی بیت الغزل وہ بحث ہے جسمین عرب اور ترک ومغل فاتحون کا فرق بتایا ہے، پوری بحث کتا[ب] [illegible] غور اور کشادہ دماغ سے پڑھو اور تحقیق پر آفرین کہو،

خلاصہ یہ ہے کہ غوری اور غزنوی، خلجی وغیرہ قبائل نو مسلم تازہ اسلام تھے، اُن کی رگ وپے مین اسلام نے ایسی سرایت نہ کی تھی جو ان کی کایا پلٹ کر کے افغانی وحشت اور ترکانی سفاکی کو یکسر اسلامی اخوت وہمدردی سے بدل دیتا، مین اس بحث کو لکھتا تو خلاصۃً یہ کہدیتا کہ ان کو قرون خیر کا فیض نہ پہونچا تھا، اور وہ استاد نہ ملے تھے جن کا تصرف انسانی دل ودماغ کو توحید کے نشہ سے سرشار کر کے مخلوق سے مساوات اخوت اور ہمدردی کا سبق یاد کرا دیتا تھا،

ہمارا ملک قیامت تک ماتم مین رہے گا کہ یہان صحابۂ کرام کا فیض تعلیم وتربیت نہ پھیلا ورنہ آج ہندوستان کی ترقی مین کثرت وقلت، چھوت اور اچھوت کے روڑے نہ اٹکائے جا سکتے،

واقعات بابری دیکھو، خود بابر کہتا ہے کہ تورۂ چنگیز خانی اس کے زمانہ تک سلاطین مغل کا دستور العمل تھا جس کے مقابلہ مین اسلامی احکام موثر نہ تھے، حالانکہ مغلون کو مسلمان ہوئے صدیان گذر چکی تھین،

شکر ہے کہ خود بابر اس تورہ سے بیزار تھا، اور مذہبی احکام کے مقابلہ مین ان کو توڑ دیتا تھا، خلاصہ افغانون اور ترکون کے (ادخلوا فی السلم کافۃ) کا مصداق نہ ہونے کی وجہ سے ان کی پالیسی اور زندگی مین اسلامی تعلیم کی وہ وسعت اور رواداری پیدا نہین ہوئی، جو عربون مین تھی، ایک حال کا واقعہ سن لیجئے، سرحدی حصہ مین ایک پٹھان نے اپنے دشمن کو پکڑ پایا، مہینہ رمضان کا تھا فیصلہ کیا کہ روزے مین مسلمان کا قتل درست نہین، روزہ کھول کر گولی کا نشانہ بنانا چاہئے، چنانچہ ہاتھ پاؤن باندھ کر ایک طرف ڈال دیا، شام کو کھانے پینے کی فکر ہوئی، لکڑی لینے جنگل مین نکل گیا، اسیر جفا نے کوشش کر کے ہاتھ کی رسی ڈھیلی کی، ہاتھ نکل آیا تو سب رسیان کھول ڈالین، رفل جو وہین رکھا تھا ہاتھ مین لے لیا، جون ہی اس کا مہربان نمایان ہوا، ایک فیر مین کام تمام تھا، رفل اور کپڑے لیکر قیدی نے گھر کا راستہ لیا،

آمدم برسر مطلب، نو مسلم ترک وافغان کے مقابلے مین عرب قدیم الاسلام تھے، سرچشمۂ اسلام سے [قری]ب کہ خود چشمۂ توحید ان کے دلون سے بہ رہا تھا،

ان دونون بیانون کے بعد دکھایا ہے کہ عرب فاتحون کا عمل کیا تھا، اور اس عمل کا اثر ملک کی ترقی پر کیا ہوا، خواہ وہ ترقی اخلاقی تھی، یا معاشرتی، تمدنی تھی یا ملکی، سندھ کی سرزمین کی وہ تاریخ جو عربی دورِ حکومت مین بنی اُس تاریخ سے بدرجہا اعلیٰ واشرف ہے، جس کو افغان اور ترک ومغل بنا سکے،

اسی سلسلہ مین یہ بیان آجاتا ہے کہ عرب ہندوؤن کو کیا سمجھتے تھے، ثابت کیا ہے، کہ اہل کتاب تو نہ سمجھتے تھے، البتہ مشابہ اہل کتاب مانتے تھے، اور یہی فیصلہ بنیاد اُس تمام برتاؤ کا تھا، جو اُن کا ہندوون کے ساتھ تھا، یہ بیان فاضل مولف کی قوتِ اجتہاد کا شاہد عدل ہے، اس بحث کو پڑھکر میرے دماغ نے یہ محسوس کیا کہ تاریخِ ہند کے منطقہ حارہ سے (جس کو ہمارے مہربانون نے دل سوز بھٹی بنا دیا ہے) نکل کر جان بخش اور روح پرور آب وہوا مین نکل آیا، اس باب کو پڑھو اور واقعات کی شہادت

پر مان لو کہ مسلمانون کی حقیقی خالص سلطنت ہندوستان مین اس سے بہت بہتر تھی جس کا بیان غزنوی دور کے آغاز سے مغلون کے خاتمہ تک تاریخ مین ملتا ہے،

پانچوان باب "ہندوستان مین مسلمان فتوحات سے پہلے،" پر بحث کرتا ہے، اس باب مین بہت سے دلچسپ اور ضروری حالات اور مسائل پر روشنی پڑتی ہے، غور کے قابل یہ مسئلہ ہے کہ علاوہ فاتح و مفتوح کے تعلقات کے دوسری قسم کے تعلقات ہندو مسلمانون کے کیسے اور کیا تھے، واقعات شہادت دیتے ہین کہ یہ تعلقات ہر لحاظ سے ہمدردی اور کشادہ دلی کا نمونہ تھے، ہندوؤن کی حکومت مین مسلمان ہر حیثیت سے خواہ وہ جنگی ہو یا ملکی، مذہبی ہو یا علمی، تاجرانہ ہو یا حاکمانہ عزت اور اثر کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے، اسلامی فتوحات سے بہت پہلے ملتان، منصورہ، دیبل مسلمان علما کے برکات سے مشرف ہو چکے تھے منجملہ اُن کے ایک ابو المعشر نجیح سندھی اس پایہ کے امام تھے کہ خود اولو العزم عباسی خلیفہ مہدی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی، اسی عہد مین ابو عطا شاعر بھی تھا،

اس باب مین دلچسپ بیان اُن اسلامی فرقون کا بھی ہے، جو اس زمانے مین سندھ مین تھے، اس سے اُن فرقون کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے، جو آج بھی صوبہ بمبئی مین موجود ہین،

آج تبلیغ کی گرمی ہنگامہ کے سلسلہ مین باب ہذا کا وہ بیان پڑھنے کے قابل ہے، جسمین شیخ الاسلام حضرت زکریا ملتانی، حضرت سید جلال بخاری قدس سرہما کے فیوض تبلیغی کا ذکر ہے، کاش آج کوئی شیخ الاسلام پیدا ہو جاے تو رنگ ہی دوسرا ہو جاتا ہے، سومریون کے متعلق بحث بھی پڑھنے کے لائق ہے،

عالم خطیب نے ایک دوسرے میدان قلم مین بھی اپنی محققانہ راے کا ثبوت دیا ہے، ایک سے زاید مقام پر یورپین علمار کی غلطیون پر گرفت کی ہے، اور ان کو صحیح راستہ دکھایا ہے،

اس سلسلے مین یہ کہنا ہم ضروری خیال کرتے ہین، کہ جہان ایک حق شناس مؤلف یا خطیب کا

فرض ہے کہ غلطیون کی اصلاح کرے، بے راہی پر ٹوکے، وہان یہ بھی اخلاقی فرض ہے کہ پیرایہ اعتراض ایسا ہو جسمین سختی یا خودشناسی کا واہمہ پیدا نہ ہو، مثلاً "کسی کی راے کی نسبت کہنا کہ "قطعاً غلط ہی" افسوس ہے ایسا پیرایہ علامہ شبلی مرحوم کی تحریرون مین بھی ہے، جس خیال یا راے کو غلط سمجھتے ہین اُس پر شاہین کی طرح گرتے ہین، میرا گمان ہے، کہ یہ سر سید مرحوم کی صحبت کا اثر تھا، تفسیر احمدی مین مفسّرین اور دیگر اکابر کو جن الفاظ سے یاد کیا ہے، وہ بیّن ثبوت ہے، آخر مین ہم مکرر ہندوستانی اکیڈمی خصوصاً اپنے مہربان سر تیج بہادر سپرو کو مبارک باد دیتے ہین کہ ان کی سعی سے ملکی ادب مین ایسی نادر کتاب کا اضافہ ہوا جیسی کہ "عرب و ہند کے تعلقات،، ہے،

مطبوعاتِ جدیدہ

شوپنہار، مولفہ جناب احمد صدیق صاحب مجنون بی اے، شایع کردہ ایوانِ اشاعت گورکھپور تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی عمدہ، مجلد، صفحات ۱۲۰، قیمت مجلد عہ،

اردو مین جدید فلسفہ کے سعد دارکان کی تصنیفات کے ترجمے مع سوانح شایع ہو چکے ہین، دار المصنفین نے برکلے اور نٹشے کو شایع کیا ہے، اور ہیوم کا ترجمہ کرایا ہے، اب جناب مجنون گورکھپوری نے جرمن فلاسفر شوپنہار کو اردو دان طبقہ سے روشناس کیا ہے، سب سے پہلے ایک مقدمہ ہے، جسمین مترجم نے یورپ کے تمام فلسفیانہ مذاہب کو نہایت اختصار اور تدریجی رفتار سے بیان کیا ہے، تاکہ ناظرین شوپنہار کے فلسفہ کی تدریجی منزل سمجھ سکین، ہمکو یہ ظاہر کرنے مین نہایت خوشی ہے کہ مولف مقدمہ نے فلسفۂ جدیدہ کے تمام مذاہب کا نہایت ہی سنجیدہ مطالعہ کیا ہے، اور ہر چیز نہایت سوچ سمجھ کر پڑھی ہے، اور لکھی ہے، شوپنہار گو ایک یورپین فلاسفر ہے، مگر اُس کا فلسفہ تمام تر پرانے ہندوستان کے یاس پسند جوگیون کے سے خیالات مین بسا ہے، اور اسی لئے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس پر اپنشد اور یوگ کا بہت کچھ اثر پڑا ہے، اس واقعاتی دنیا کی یاس و ناامیدی مین اسکی روح کی مسرت اور اس کے دل کی تسکین، شاعری اور دوسرے فنون لطیفہ کے تخیلاتی عالم سے ہوئی ہے، لائق مولف نے ان چند صفحات مین شوپنہار کے ہر پہلو کو اس کے سوانح، اُس کے خیالات اور اُس کے فلسفہ کو نہایت خوبی سے سلجھا کر لکھا ہے،

علاؤالدین خلجی مولفہ جناب سلطان حمید صاحب وارثی ایم اے، ال ال بی، اٹاوہ شایع کردہ رائے صاحب رام دیال اگروال پبلشر الہ آباد، چھوٹی تقطیع ۷۰ صفحات، مجلد قیمت عہ زبان انگریزی،

خلجی ہندوستان کے وہ حکمران ہین جنھون نے ترک غلام بادشاہون کی سلطنت کا ہندوستان مین خاتمہ کرکے افغانی حکومت کی بنیاد ڈالی خلجی قبیلہ ترک و افغان کے بیچ مین ہے، اور صحیح یہ ہے کہ اس کا نسبی تعلق ترکون سے ہے، لیکن وطنی تعلق افغانستان سے ہے، سلطان محمود غزنوی کے زمانہ تک یہ مسلمان نہین تھے مگر غزنویون کی فوج کے بہترین سپاہی تھے، اور اسی فوجی خدمت کے سلسلہ سے انکا تعلق ہندوستان کے ترک [illegible]ل سلاطین سے تھا، اور آخر انکی کمزوری پر ساتوین صدی ہجری کے وسط مین خلجیون نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ مین لی، علاؤالدین خلجی ان کے سلسلہ کا دوسرا فرمان روا تھا، فتوحات اور وضعِ قوانین کے لحاظ سے یہ ایک ممتاز بادشاہ تھا، اور اسی لئے قابلِ قدر ہے، مؤلف نے ان صفحات مین اُس کے عہدِ حکومت پر انگریزی مین مختصراً نہایت عمدہ تبصرہ کیا ہے، اور گو ہر واقعہ پر حوالہ نہین دیا ہے، تاہم اکثر اپنے حوالون کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن کے ماخذ عام طور سے فارسی کی اصل مطبوعہ کتابین ہین، اردو [illegible] مورخین کی نقالی نہین، علاؤالدین کے ایک ایک اصلاحات کو مؤلف نے خوبی کے ساتھ لکھا ہے، اور اس کے عہد کے بزرگون کے مختصر حالات بھی دیئے ہین،

ملیبار، ملیبار (علاقہ مدراس) سے مسلمانون کا تعلق جتنا پرانا ہے، اتنا ہی اس کی پرانی تاریخ سے اُن کو کم آگاہی ہے، اُس کی تاریخ کے مواد اور معلومات بہت کم ملتے ہین، اور کتابون مین جستہ جستہ نظر آتے ہین، ہمارے دوست حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ماہر آثار قدیمہ نے مختلف مقامات سے اس کے جغرافی اور تاریخی معلومات یکجا کرکے اس رسالہ مین پیش کئے ہین، اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ نے اس کو شایع کیا ہے، گو یہ متفرق معلومات معارف مین اڈیٹر کے قلم سے کبھی کبھی شایع ہو چکے ہین، تاہم حکیم صاحب کے یہ یکجا کردہ معلومات و واقعات قدر کے قابل ہین، کہ اس ملک کی تاریخ کے متعلق یہ سب سے پہلا محققانہ مجموعہ ہے، قیمت ۱۰ر پتہ:- صدر دفتر کانفرنس سلطان جہان منزل علی گڈھ

انتخاب سودا، ہمارے نوجوان شاعر مولوی سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری نے چھوٹی

تقطیع کے سو صفحون مین سودا کی غزلون کا انتخاب کیا ہے، اور شروع مین نواب جعفر علی خان صاحب اثر نے سودا کے سوانح اور کلام پر پچاس صفحون مین تبصرہ کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ بڑے بڑے دیوانون کے خرمن سے چند گران قیمت دانون کو چنکر اٹھانا بڑا مشکل کام ہے، حالانکہ پرگو شاعرون کے فضل وکمال کا جوہر جو اس انبار مین چھپ کر گم ہوجاتا ہے اُس کا اندازہ انھین منتخب دانون لگایا جاسکتا ہے، ورنہ رطب ویابس مین ہر نظر اصلیت کا پتہ نہین لگا سکتی، اس لحاظ سے نا قد کا یہ کام ہماری شکرگذاری کا مستحق ہے، نواب اثر کا مقدمہ بھی اپنے اختصار کے باوجود دلچسپ ہے،

قیمت ... پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

فہرست کتبخانہ مشرقی پٹنہ، مولوی ... المقتدر صاحب، شایع کردہ گورنمنٹ پریس پٹنہ، پتہ:- سپرنٹنڈنٹ صاحب گورنمنٹ پریس پٹنہ،

یہ جلد ابھی چھپ کر شایع ہوئی ہے، یہ سلسلہ کی سترہوین جلد ہے، اسمین متفرق مضامین فارسی قلمی رسائل کا حال درج ہے، مولوی عبد المقتدر صاحب کتبخانہ مذکور کے فارسی فہرست نویس کی تحقیقات کا نتیجہ ہے، مولوی صاحب نے اس سلسلہ فہرست کی ترتیب وتدوین وتحقیق مین جو محنت اور کاوش کی ہے، اُس کی داد اکثر مشرقی اور مغربی فاضلون نے وقتاً فوقتاً دی ہے، یہ مجموعہ گو چھوٹے چھوٹے رسالون کی فہرست پر مشتمل ہے، تاہم ایسے بے نام کے مختصر رسالون کی کیفیت، اور ان کے مصنفون کا پتہ لگانا بہت ہی مشکل کام تھا، مولوی صاحب نے جہان تک ممکن تھا اس کام کو خوبی اور محنت سے انجام دیا ہے،

"س"

... ششم	ماہ رجب المرجب ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۰ء	عدد ششم ۶

مضامین